بانی ومہتمم :مفتی محمد رضا قادری نقشبندی مصباحی خلیفہ حضور شیخ العالم وسربراہ اعلیٰ علما کونسل نیپال
بفیض روحانی: مجمع الفضائل والبرکات،مظہر کمالات امام ربانی حضور شیخ العالم مولانا شاہ احمد رضا نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ
قیادت :قائد ملت نیپال حضرت مولاناالحاج سید غلام حسین مظہری مرکزی صدر علما کونسل نیپال

Reg.No: 5310 -2082/2083

نیپال اردو ٹائمز
ہفت روزہ

Weekly The NEPAL URDU TIMES

چیف ایڈیٹر: عبدالجبار علیمی نظامی

جلد نمبر 2
VOL:(2)

weeklynepalurdutimes@gamil.com

12 صفحات

29/اکتوبر2026 مطابق 17/جمادی الاول 1448ھ/12/گتے کارتک 2083

شمارہ نمبر 113
ISSUE(113)

نیپال سے شیطانی رجحانات اور بگاڑ کا خاتمہ ناگزیر ہے: وزیر اعظم بالین شاہ

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو وزیر اعظم بالیندر شاہ (بالین شاہ) نے ملکی ترقی کی راہ میں حائل بد عنوانی، بدانتظامی، سرکاری کاموں میں غیر ضروری تاخیر، عدم مساوات اور سیاسی انتشار جیسے بگاڑ کو "شیطانی رجحانات "قرار دیتے ہوئے عوام سے ان کے خاتمے کے لیے متحد ہونے کی پرزور اپیل کی ہے۔نیپال کے سب سے بڑے اور اہم ترین روایتی تہوار "بڑا دشیں" (وجے دشمی) کے موقع پر قوم سے اپنے خصوصی خطاب میں وزیر اعظم بالین شاہ نے ملکی نظام کی کایا پلٹ کرنے کے عزم کا اعادہ کیا۔انہوں نے کہا کہ یہ تہوار تاریخی طور پر برائی پر اچھائی کی فتح کی علامت ہے، اور آج نیپالی قوم کو اسی جذبے کے تحت اپنی سیاسی، سماجی اور انتظامی زندگی سے برائیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عہد کرنا ہوگا۔وزیر اعظم نے واضح کیا کہ روایتی سیاسی بگاڑ نے ملکی نظام کو کھوکھلا کر دیا ہے جسے درست کرنا اب ناگزیر ہو چکا ہے۔ بالین شاہ حکومت نے اپنے ۱۰۰ نکاتی جامع اصلاحاتی ایجنڈے کے تحت سال ۲۰۰۶ء سے لے کر ۲۰۲۶ء تک اقتدار کے

ایوانوں میں رہنے والے تمام سیاستدانوں، وزراء اور اعلیٰ سرکاری عہدیداروں کے اثاثوں کی کڑی جانچ پڑتال کا فیصلہ کیا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایک خود مختار اور اعلیٰ سطحی کمیشن تشکیل دیا جا رہا ہے۔انہوں نے یقین دلایا کہ سرکاری محکموں میں تاخیر اور سفارش کلچر کا خاتمہ کر کے ڈیجیٹل گورننس کو فروغ دیا جائے گا تاکہ عوام کو براہ راست ریلیف مل سکے۔وزیر اعظم کا کہنا تھا کہ ان کا مقصد ایک ایسا شفاف اور جوابدہ ماحول قائم کرنا ہے جہاں ہر عام شہری کو یہ دلی احساس ہو کہ ریاستی ادارے اور حکومت ان کی خدمت، انصاف اور تحفظ کے لیے چوبیس گھنٹے موجود ہیں۔اپنے خطاب کے اختتام پر وزیر اعظم بالین شاہ نے قوم کو یاد دلایا کہ حقیقی اور پائیدار تبدیلی صرف حکومتی قوانین سے نہیں بلکہ عوام کی سوچ اور طرزِ عمل میں مثبت تبدیلی سے ہی ممکن ہے۔انہوں نے امید ظاہر کی کہ اگر نیپال کے شہری اور حکومت ایک پیج پر آ کر ان سماجی وسیاسی برائیوں کے خلاف متحد ہو جائیں، تو نیپال جلد ہی خطے میں ایک خوشحال، شفاف اور مثالی جمہوری ملک بن کر ابھرے گا۔

عوامی فلاح و بہبود ہی اصل ترجیح ہونی چاہیے: روی لامیچھانے

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو سابق نائب وزیرِ اعظم، وزیرِ داخلہ اور راشٹریہ سوتنتر پارٹی کے بانی چیئرمین روی لامیچھانے ایک بار پھر ملکی سیاست کے مرکز میں آ گئے ہیں۔ سیاست میں آنے سے پہلے ایک بے باک ٹیلی ویژن جرنلسٹ کے طور پر شہرت پانے والے روی لامیچھانے نے ہمیشہ خود کو عوامی فلاح و بہبود اور بد عنوانی کے خاتمے کے لیے وقف کرنے کا عزم ظاہر کیا ہے، جس کی وجہ سے انہیں خاص طور پر نیپالی نوجوانوں میں زبردست مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔حالیہ دنوں میں اپوزیشن جماعتوں کی جانب سے موجودہ حکومت کو گرانے کی کوششوں اور افواہوں کے درمیان، روی لامیچھانے نے ایک بڑا سیاسی موقف اختیار کیا ہے۔ نیپالی کانگریس کے ایک بڑے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے واضح کیا کہ ملک میں کسی بھی قسم کی انتظامی بے ضابطگیوں اور افراتفری کا واحد حل "شفاف انتخابات" ہیں۔ انہوں نے اپوزیشن جماعتوں کو مشورہ دیا کہ وہ احتجاجی مظاہروں کے بجائے آئندہ عام انتخابات کے ذریعے حکومت کی تبدیلی کی کوشش کریں۔ان کا کہنا تھا کہ آر ایس پی انتخابات میں ایسے امیدواروں کو ٹکٹ دے گی جو ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دیں گے۔سیاسی گہما گہمی کے درمیان روی لامیچھانے حال ہی میں اپنی اہلیہ نکیتا لامیچھانے اور قریبی رفقاء کے ہمراہ بھارت کے ۳ روزہ نجی اور مذہبی دورے پر روانہ ہوئے۔ذرائع کے مطابق، وہ اتراکھنڈ میں واقع مشہور روحانی مرکز 'کینچی دھام' (نیم کرولی بابا کا آشرم) اور آسام میں 'کماکھیا دیوی مندر' میں حاضری اور پوجا کے لیے گئے ہیں۔روانگی کے وقت انہوں نے واضح کیا کہ ان کا یہ دورہ خالصتاً نجی اور روحانی نوعیت کا ہے اور اس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔روی لامیچھانے کا سیاسی سفر جہاں عوامی مقبولیت سے بھرپور رہا ہے، وہی وہ مختلف قانونی تنازعات، خصوصاً کوآپریٹو فنڈز (مالیاتی اسکینڈل)، منظم جرم اور منی لانڈرنگ جیسے الزامات کی زد میں بھی رہے ہیں، جس کی وجہ سے وہ عدالتی کارروائیوں کا سامنا کرتے رہے ہیں۔اگرچہ اٹارنی جنرل آفس اور ضلعی اداروں کی جانب سے کچھ سخت دفعات کو واپس لینے یا ان میں ترمیم کی کوششیں کی گئی ہیں، تاہم یہ معاملہ اب بھی سپریم کورٹ میں زیرِ سماعت ہے۔

بني گھاٹ—تاتوپانی سڑک کھولنے کا کام مکمل، سیلاب سے منقطع زمینی رابطہ بحال: وزیر سنیل لمسال

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو صوبہ گنڈکی کے وزیر برائے انفراسٹرکچر ڈیولپمنٹ (بنیادی ڈھانچہ) سنیل لمسال نے اعلان کیا ہے کہ بني گھاٹ—تاتوپانی سڑک کے حصے کو دوبارہ کھولنے کا کام کامیابی سے مکمل کر لیا گیا ہے۔ بني گھاٹ—اروغاٹ—لار کے بھنجیانگ سڑک کے تحت آنے والی اس اہم شاہراہ کے کھلنے سے سیلاب زدہ علاقوں کا زمینی رابطہ دوبارہ بحال ہو گیا ہے۔بوڑھی گنڈکی ندی میں آنے والے حالیہ تباہ کن سیلاب اور اس کے نتیجے میں ہونے والی لینڈ سلائیڈنگ کی وجہ سے سڑک کا یہ حصہ بری طرح متاثر ہوا تھا اور ہر قسم کی آمدورفت کے لیے بند ہو گیا تھا۔سڑک کی فوری بحالی کے لیے خورلا بیسی کے مقام پر ہنگامی بنیادوں پر ایک عارضی متبادل راستہ (ڈائیورژن) تعمیر کیا گیا۔تاتوپانی اور اس کے قریبی علاقوں میں سڑک پر موجود بھاری پتھروں، مٹی اور سیلابی ملبے

کو ہیوی مشینری کے ذریعے صاف کر کے راستے کو صاف کر دیا گیا ہے۔صوبائی وزیر سنیل لمسال نے سڑک کے معائنے کے دوران پائیدار حل پر زور دیتے ہوئے مستقبل کے منصوبوں سے آگاہ کیا: (۱) عارضی طور پر راستہ کھولنے کے بعد اب اس سڑک کی مستقل تعمیر اور الائنمنٹ (ڈیزائن) کو بہتر بنانے کے لیے ایک جامع مطالعہ شروع کیا جا رہا ہے۔(۲) سڑک کی اپ گریڈنگ اس طرح کی جائے گی تاکہ مستقبل میں ندی میں سیلاب کی صورت میں یہ دوبارہ شدید متاثر نہ ہو۔(۳) 1. اس شاہراہ کے دوبارہ فعال ہونے سے مقامی آبادی کو درپیش سفری مشکلات کا خاتمہ ہوگا اور علاقے میں اشیائے ضروریہ کی ترسیل دوبارہ معمول پر آ سکے گی۔

بے زمینوں کے مسائل کا حل اور کوآپریٹو متاثرین کی رقوم کی واپسی ہماری اولین ترجیح ہے: وفاقی وزیر راول

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو

وفاقی وزیر برائے زمینی انتظام، کوآپریٹوز اور وفاقی امور پر تیبھا راول نے کہا ہے کہ حکومت طویل عرصے سے زیر التوا بے زمین شہریوں کے مسائل حل کرنے اور بحران کا شکار کوآپریٹو اداروں کے متاثرین کی رقوم کی واپسی کے عمل کو تیز کرنے کے لیے تمام ممکنہ اقدامات کر رہی ہے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے چتوان کے دورے کے موقع پر میڈیا اور مقامی وفود سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔وفاقی وزیر کا کہنا تھا کہ غیر رجسٹرڈ بستیوں میں مقیم بے زمین دلتوں اور سکواٹرز کو زمین کے مالکانہ حقوق (لال پرجا) فراہم کرنا کوئی سیاسی انتخابی وعدہ نہیں بلکہ ان کا قانونی حق ہے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ حکومت نے ایک خصوصی آرڈیننس کے ذریعے ان تمام قانونی پیچیدگیوں اور رکاوٹوں کو ختم کر دیا ہے جو ماضی میں اس عمل میں حائل رہی ہیں۔ پر تیبھا راول نے کچی بستیوں کے مکینوں کو یقین دلایا کہ انہیں زبردستی بے دخلی یا بلڈوزر کی کارروائی کا کوئی

خوف نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ حکومت ان کی مستقل اور محفوظ بحالی کے منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ کوآپریٹو اسکینڈل کے حوالے سے بات کرتے ہوئے وفاقی وزیر نے واضح کیا کہ سہکاریوں (کوآپریٹوز) میں شہریوں کی ڈوبی ہوئی رقوم کی واپسی کا عمل شروع ہو چکا ہے اور اب اس میں مزید تیزی لائی جا رہی ہے۔انہوں نے خبردار کیا کہ عوام کا پیسہ ہڑپ کرنے والے اداروں اور افراد پر دباؤ بڑھایا جا رہا ہے تاکہ شہریوں کی امانتیں جلد از جلد واپس کی جا سکیں۔موجودہ حکومت کی پالیسی پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کا کہنا تھا کہ وزراء کا فرض ہے کہ وہ خود عوام کے پاس جا کر ان کے مسائل سنیں، نہ کہ عوام وزراء کے دفاتر کے چکر کاٹیں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ دسائیں اور تہار کے تہواروں کے فوری بعد ملک بھر میں بے زمین افراد کو ملکیتی سرٹیفکیٹس کی تقسیم کا کام ایک جارحانہ اور تیز رفتار مہم کے تحت شروع کر دیا جائے گا۔

کورنٹار میں خوفناک سڑک حادثہ: ٹرک، بس اور مائیکرو بس میں تصادم، ۱۱ افراد زخمی

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

چتوان

ضلع چتوان میں پرتھوی ہائی وے پر ایک دلدوز سڑک حادثہ پیش آیا ہے، جہاں ایک ٹرک، مسافر بس اور مائیکرو بس کے درمیان ہونے والے شدید تصادم میں کم از کم ۱۱ افراد شدید زخمی ہو گئے ہیں۔ حادثے کے بعد ہائی وے پر گاڑیوں کی آمدورفت مکمل طور پر بلاک ہو گئی ہے، جس سے سڑک کے دونوں اطراف گاڑیوں کی لمبی قطاریں لگ گئی ہیں۔پولیس ذرائع کے مطابق، یہ حادثہ چتوان کی اچھاکامناگاؤں پالیکا-٤ میں واقع دھاراپانی کے مقام پر پیش آیا۔ عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ کاٹھمنڈو سے موگلنگ کی طرف جانے والی تیز رفتار مائیکرو بس کو مخالف سمت سے آنے والی ایک مسافر بس نے زوردار ٹکر ماری۔ ٹکر اتنی شدید تھی کہ مسافر بس بے قابو ہو کر اسی سمت جانے والے ایک مال بردار ٹرک سے جا ٹکرائی۔حادثے کی اطلاع ملتے ہی نیپال کی مسلح پولیس فورس کے ڈیزاسٹر مینجمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کے اہلکار اور مقامی پولیس فوری طور پر جائے وقوعہ پر پہنچے۔ امدادی ٹیموں نے گاڑیوں کے ملبے سے زخمیوں کو نکالا۔ حادثے میں زخمی ہونے والے ۱۱ افراد کو فوری طور پر کورنٹار میں واقع مسلح پولیس کے ٹراما سینٹر اور دیگر قریبی ہسپتالوں میں منتقل کر دیا گیا ہے، جہاں انہیں طبّی امداد فراہم کی جا رہی ہے۔

کاٹھمانڈو ہوائی اڈے سے ۱٤ کلو گرام تھائی گانجا برآمد، بھارت کی دو خواتین گرفتار

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو دارالحکومت کاٹھمانڈو میں واقع تریبھون بین الاقوامی ہوائی اڈے سے پولیس نے ۱٤ کلو گرام تھائی گانجا برآمد کیا ہے۔اس معاملے میں ہندوستان کی دو خواتین کو گرفتار کیا گیا ہے۔ان کی شناخت ٤٦ سالہ شبانہ نویار محمد شیخ اور ۳۵ سالہ شریفہ عباس کے طور پر ہوئی ہے۔پولیس نے منگل کی رات فضائی راستے سے نیپال آنے والے مسافروں کی جانچ اور پروفائلنگ کے دوران نارکوٹکس کنٹرول بیورو کی تریبھون بین الاقوامی ہوائی اڈہ شاخ میں تعینات ٹیم نے دونوں خواتین کو گرفتار کیا۔ دونوں باٹک ایئر کی پرواز سے کاٹھمنڈو پہنچی تھیں۔ پولیس کے مطابق دونوں خواتین تھائی لینڈ سے ملیشیا کے راستے نیپال آئی تھیں۔نارکوٹکس کنٹرول بیورو کے معاون ترجمان جیون نرولا نے بتایا کہ دونوں خواتین سے پوچھ گچھ کی جا رہی ہے

قاضی نیپال فاؤنڈیشن یونٹ دوحہ قطر نے ہر ماہ مالی تعاون کرنے کا عزم مصمم کیا ہے نیپال اردو ٹائمز ادارتی ٹیم اس کے لیے مذکورہ فاؤنڈیشن کا شکریہ ادا کرتی ہے اللہ کریم اپنے امان میں رکھے

یومِ سیاہ کشمیر کے موقع پر مذاکرے کا انعقاد

پریس ریلیز

کٹھمنڈو: نیپال میں پاکستان کے سفارت خانے نے 29 اکتوبر 2026 کو یومِ سیاہ کشمیر کے موقع پر "بین الاقوامی سفارت کاری اور مسئلہ کشمیر کے حل کی راہ" کے عنوان سے ایک تقریب کا انعقاد کیا۔ اس تقریب کا مقصد 27 اکتوبر 1947ء کے 79 ویں یومِ سیاہ کی یاد منانا تھا، جب بھارتی افواج سری نگر میں داخل ہوئیں، جس کے نتیجے میں جموں و کشمیر پر بھارت کے قبضے کا آغاز ہوا۔ پروگرام میں نیپال کے ممتاز صحافیوں، دانشوروں اور سول سوسائٹی کے نمائندوں نے شرکت کی اور دیرینہ تنازعِ کشمیر کے حل اور کشمیری عوام کے حقِ خودارادیت کے حصول میں بین الاقوامی سفارت کاری کے کردار پر تبادلۂ خیال کیا۔

تقریب کے دوران صدرِ پاکستان، وزیرِ اعظم اور نائب وزیرِ اعظم و وزیرِ خارجہ پاکستان کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے، جن میں جموں و کشمیر کے حوالے سے پاکستان کے اصولی مؤقف اور کشمیری عوام کی غیر متزلزل حمایت کا اعادہ کیا گیا۔ اپنے پیغام میں صدرِ پاکستان آصف علی زرداری نے بھارت کے غیر قانونی زیرِ قبضہ جموں و کشمیر (IIOJK) میں انسانی حقوق کی صورتِ حال پر گہری تشویش کا اظہار کیا، بالخصوص 5 اگست 2019ء کو بھارت کے یکطرفہ اقدامات کے بعد پیدا ہونے والی صورتِ حال پر۔ انہوں نے اقوامِ متحدہ اور عالمی برادری پر زور دیا کہ وہ متعلقہ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق تنازعِ کشمیر کے منصفانہ اور پُرامن حل کے لیے اپنی کوششیں تیز کریں۔ وزیرِ اعظم محمد شہباز شریف نے اپنے پیغام میں اس بات پر زور دیا کہ جنوبی ایشیا میں پائیدار امن اور استحکام کا انحصار جموں و کشمیر کے تنازع کے متعلقہ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں اور کشمیری عوام کی امنگوں کے مطابق حل پر ہے۔ انہوں نے بنیادی آزادیوں پر عائد پابندیوں اور کشمیری سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کی مسلسل قید کی جانب توجہ مبذول کراتے ہوئے کشمیری عوام کو اخلاقی، سفارتی اور سیاسی حمایت فراہم کرنے کے پاکستان کے عزم کا اعادہ کیا۔ نائب وزیرِ اعظم و وزیرِ خارجہ سینیٹر محمد اسحاق ڈار نے تنازعِ کشمیر کے منصفانہ، پُرامن اور پائیدار حل کے لیے متعلقہ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں کی مرکزی اہمیت

کو اجاگر کیا۔ انہوں نے بھارت کے غیر قانونی زیرِ قبضہ جموں و کشمیر میں انسانی حقوق سے متعلق مسلسل تشویش ناک صورتِ حال اور بنیادی آزادیوں پر عائد پابندیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے کشمیری عوام کے حقوق کے تحفظ، بالخصوص ان کے حقِ خودارادیت کے حصول کے لیے بین الاقوامی سطح پر مسلسل اور مؤثر سفارتی کوششوں پر زور دیا۔ تقریب کے اختتام پر نیپال میں پاکستان کے سفیر عزت مآب جناب محمد عامر خان نے خطاب کرتے ہوئے مسئلہ جموں و کشمیر کے منصفانہ اور پائیدار حل کی جانب پیش رفت کے لیے بین الاقوامی سفارتی کوششوں کو مسلسل اور بامعنی انداز میں جاری رکھنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے متعلقہ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کی قراردادوں کے مطابق کشمیری عوام کے ناقابلِ تنسیخ حقِ خودارادیت کے تحفظ اور اس کی تکمیل کے لیے عالمی سطح پر نئی اور مؤثر کوششوں کی اپیل کی۔

تقریب میں شریک افراد نے بھارت کے غیر قانونی زیرِ قبضہ جموں و کشمیر کے عوام کے ساتھ یکجہتی کا اعادہ کیا اور عالمی برادری سے مطالبہ کیا کہ وہ مقبوضہ علاقے میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا نوٹس لے اور کشمیری عوام کی جائز امنگوں کی تکمیل کے لیے اپنا کردار ادا کرے۔ سفارت خانہ پاکستان کٹھمنڈو 29 اکتوبر 2026ء

اگر قوم پرستی کو نقصان پہنچایا گیا تو خاموش تماشائی نہیں بنیں گے: مادھو نیپال

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز

کاٹھمانڈو سابق وزیرِ اعظم اور نیپالی کمیونسٹ پارٹی کے سینئر رہنما مادھو کمار نیپال نے واضح الفاظ میں خبردار کیا ہے کہ اگر ملک کی قوم پرستی، قومی مفادات یا ملکی وقار کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی، تو ان کی پارٹی خاموش تماشائی بن کر نہیں بیٹھے گی۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے دارالحکومت کاٹھمانڈو میں پارٹی کی دو ماہ طویل 'قومی بیداری مہم' کا باضابطہ آغاز کرتے ہوئے ایک عوامی اجتماع سے خطاب کے دوران کیا۔ مادھو کمار نیپال نے اپنے خطاب میں اس ملک گیر مہم کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس اقدام کا بنیادی مقصد: قوم پرستی اور ملکی خودمختاری کے تحفظ کے لیے عوام کو متحرک کرنا۔ نیپال کے موجودہ جمہوری آئین اور وفاقی جمہوری نظام کی حفاظت کے لیے عوامی تائید حاصل کرنا۔ ملک کے طول و عرض میں جا کر شہریوں کے مسائل کو سننا اور انہیں ملکی چیلنجز سے آگاہ کرنا۔ مادھو کمار نیپال نے ان سیاسی عناصر اور ناقدین کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا جو یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ ملک کی پُرانی سیاسی جماعتوں نے نیپال کی ترقی کے لیے کچھ نہیں کیا۔ انہوں نے کہا کہ محض الزامات تراشی سے کام نہیں چلے گا، بلکہ الزام لگانے والوں کو ٹھوس حقائق اور ثبوت پیش کرنے چاہئیں۔ انہوں نے اعلان کیا کہ ان کی پارٹی جلد ہی ایک تفصیلی رپورٹ عوام کے سامنے پیش کرنے جا رہی ہے۔ اس رپورٹ میں ۱۹۹۰ء کے بعد سے اب تک بننے والی بائیں بازو (کمیونسٹ) کی حکومتوں کی شاندار کارکردگی، ترقیاتی منصوبوں اور عوامی فلاح و بہبود کے اقدامات کا مکمل کٹھا چٹھا شامل ہو گا تاکہ عوام خود سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کر سکیں

نیپال میں چار برفانی جھیلوں کی سطح آب کم کرنے اور چھ دریائی طاس میں پیشگی انتباہی نظام کو وسعت دینے کا منصوبہ

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپال حکومت نے سیلاب کے خطرات کو کم کرنے کے لیے چار برفانی جھیلوں کی سطح آب کم کرنے اور چھ دریائی طاس میں پیشگی انتباہی نظام کو وسعت دینے کا منصوبہ آگے بڑھایا ہے۔ وزارت توانائی آبی وسائل اور آب پاشی کے تحت مرکز برائے ہائیڈرولوجی و آبی وسائل کی تحقیق اور محکمہ موسمیات نے اتوار کو الگ الگ وائٹ پیپر جاری کیے ہیں۔ ان وائٹ پیپرز میں برفانی جھیلوں سے آنے والے سیلاب کے خطرات کم کرنے موسم کی پیش گوئی کو بہتر بنانے اور خطرے سے دوچار آبادیوں تک بروقت اطلاعات پہنچانے کے لیے مختلف اقدامات شامل ہیں۔ ان منصوبوں کے تحت نگرانی کے آلات کی تعداد بڑھانے سے لے کر موسم کی پیش گوئی کے لیے جدید ٹیکنالوجی کے استعمال تک کے پروگرام تجویز کیے گئے ہیں۔ دستاویزات میں ان منصوبوں پر عمل درآمد کے سلسلے میں بجٹ کی مسلسل دستیابی تربیت یافتہ افرادی قوت کی فراہمی اور آلات کی باقاعدہ دیکھ بھال کو اہم چیلنج قرار دیا گیا ہے۔ برفانی جھیلوں سے وابستہ خطرات کو کم کرنے کے لیے مجوزہ گلوف سنجیونی منصوبے کے تحت نیپال کے ضلع منانگ میں واقع تھولاگی، ضلع سنکھوا سبھا کی لوئر بارون اور ضلع سولکھمبو کی لوڈنگ چھو اور ہونگو-۲ برفانی جھیلوں کی سطح آب کم کرنے کا منصوبہ ہے۔ واضح رہے کہ برفانی جھیلوں کے پھٹنے سے اچانک آنے والے سیلاب کو انگریزی میں گلیشیئل لیک آؤٹ برسٹ فلڈ گلوف کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے سیلاب سے نشیبی علاقوں میں رہنے والی آبادی بنیادی ڈھانچے اور پن بجلی کے منصوبوں کو شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔ نیپال میں برفانی جھیلوں کے خطرات کو کم کرنے اور دریائی طاس میں پیشگی انتباہی نظام کو مضبوط بنانے کے ان اقدامات کا مقصد ممکنہ سیلاب سے ہونے والے جانی و مالی نقصانات کو کم کرنا اور متاثرہ علاقوں تک بروقت اطلاع پہنچانے کے نظام کو مؤثر بنانا ہے۔

نیپالی معاشرہ اپنے اسکالرز کے بجائے غیر ملکی ادیبوں کو زیادہ معتبر سمجھتا ہے: اولی

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

کمیونسٹ پارٹی آف نیپال (سی پی این-یو ایم ایل) کے چیئرمین کے پی شرما اولی نے نیپالی معاشرے میں مقامی دانشوروں کی عدم شناخت اور غیر ملکی مفکرین کو اندھی فوقیت دینے کے بڑھتے ہوئے رویے پر شدید تنقید کی ہے۔ انہوں نے افسوس کا اظہار کیا کہ ملکی مصنفین کی تحریروں کو وہ علمی مقام اور اہمیت نہیں دی جاتی جس کے وہ حقدار ہیں۔ اولی نے نیپال کے تعلیمی، ادبی اور سماجی حلقوں کے جمود پر کھل کر گفتگو کی۔ خطاب میں کے پی شرما اولی کا کہنا تھا کہ نیپالی معاشرہ فکری طور پر احساسِ کمتری کا شکار ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا، "ہم اپنے پاس موجود اسکالرز اور ان کی صلاحیتوں کو پہچاننے سے قاصر ہیں۔ جب نیپالی مصنفین کتابیں یا تحقیقی مقالے لکھتے ہیں، تو لوگ ان کے حوالے دینے سے کتراتے ہیں۔ اس کے برعکس، غیر ملکی ادیبوں اور مفکرین کی مثالیں پیش کرنا فخر کی بات سمجھا جاتا ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ معاشرے میں یہ غلط تاثر جڑ پکڑ چکا ہے کہ نیپالی اسکالرز کا لکھا ہوا مواد "علمی اور معیاری" نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے ملکی محققین کی باتیں کتنی ہی منطقی، مدلل اور حقائق پر مبنی کیوں نہ ہوں، علمی مباحثوں میں حتمی رائے کے لیے ہمیشہ بیرونی دنیا کی طرف دیکھا جاتا ہے۔ اولی نے اپنے مخصوص طنزیہ اور فلسفیانہ انداز میں سماج کو آئینہ دکھاتے ہوئے کہا کہ جب سے حقیقی مقامی دانشوروں اور دور اندیش رہنماؤں کی قدر کم ہوئی ہے، معاشرے میں 'مصنوعی اور جعلی مقتدر شخصیات' کو سراہنے کا رجحان تشویشناک حد تک بڑھ گیا ہے۔ انہوں نے اس صورتحال کو نظریاتی اور فکری آزادی کے لیے نقصان دہ قرار دیا۔ اولی نے نیپال کے علمی تشخص کو بحال کرنے پر زور دیتے ہوئے اعلان کیا کہ وہ نیپالی ادب، فلسفے اور تاریخ کی ترویج کے لیے سنجیدہ ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ بہت جلد ملک بھر کے نامور ادیبوں، مصنفین اور مفکرین کے ساتھ ایک تفصیلی گول میز کانفرنس کا انعقاد کریں گے تاکہ مقامی علم کو تعلیمی و تحقیقی نصاب میں بنیادی حوالہ بنانے کا مستقل رجحان پیدا کیا جا سکے۔

نیپال میں جلد ہی ایک بار پھر نئے سیاسی حالات پیدا ہوں گے: پرچنڈ

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپالی کمیونسٹ پارٹی این سی پی کے کنوینر اور سابق وزیر اعظم پشپ کمل دہال پرچنڈ نے دعویٰ کیا ہے کہ ملک میں جلد ہی ایک بار پھر نئے سیاسی حالات پیدا ہوں گے۔ پرچنڈ نے ہفتہ کو یہاں پارٹی کے مرکزی دفتر میں منعقدہ پارٹی بیداری مہم کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے ماضی کی عوامی جدوجہد کو یاد کیا۔ انہوں نے اعتماد ظاہر کیا کہ عوامی مسائل کو

ایمانداری اور خلوص کے ساتھ اٹھایا جائے تو مخالف حالات میں بھی عوام کی حمایت حاصل کی جا سکتی ہے۔ تحریک کے ابتدائی دور کی دشواریوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ محدود تعداد میں کارکنوں کے ساتھ شروع ہونے والی یہ تحریک وقت کے ساتھ لاکھوں لوگوں کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب رہی، جس کے نتیجے میں ملک میں تاریخی تبدیلی ممکن ہوئی۔ موجودہ سیاسی حالات میں ماؤنواز تحریک اور اس کی تاریخی خدمات کو کم کر کے دیکھنے کے بڑھتے ہوئے رجحان کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ تبدیلی کے لیے جدوجہد کرنے والوں کو نظر انداز کرنے کی کوششیں کامیاب نہیں ہوں گی۔ انہوں نے واضح کیا کہ نظریات اصولوں اور قربانیوں کی بنیاد کو کوئی بھی آسانی سے مٹا نہیں سکتا۔ سابق وزیر اعظم پرچنڈ نے حالیہ دنوں میں پارٹی کے خلاف ہونے والے مختلف تبصروں اور تنقیدوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خبردار کیا کہ تاریخ کو نظر انداز کر کے آگے نہیں بڑھا جا سکتا

نیپالی کرکٹ کا عروج کھلاڑیوں اور شائقین کی طویل محنت کا نتیجہ ہے: گگن تھاپا

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کاٹھمانڈو

نیپالی کرکٹ کی موجودہ عالمی کامیابیاں اور عروج کسی معجزے سے کم نہیں، جس کے پیچھے کھلاڑیوں، کوچز اور کرکٹ شائقین کی برسوں کی انتھک محنت، قربانیاں اور بے پناہ جدوجہد پوشیدہ ہے۔ ان خیالات کا اظہار نیپالی کانگریس کے صدر رہنما گگن تھاپا نے نیپال پریمیئر لیگ کے تناظر میں قوم کے نام اپنے ایک پیغام میں کیا۔ انہوں نے واضح کیا کہ نیپال نے محدود ترین وسائل اور بنیادی ڈھانچے (انفراسٹرکچر) کی کمی کے باوجود کرکٹ کی دنیا میں جو مقام حاصل کیا ہے، وہ اسپورٹس ہسٹری کا ایک سنہرا باب ہے۔ نیپال میں کرکٹ کا سفر انتہائی کٹھن رہا ہے۔ ایک ایسے وقت میں جب ملک میں معیاری اسٹیڈیمز، اکیڈمیز اور ٹریننگ کی سہولیات کا شدید فقدان تھا، نوجوان کھلاڑیوں نے مٹی کے میدانوں پر پریکٹس کر کے اپنے خوابوں کو حقیقت کا روپ دیا۔ نیپالی ٹیم نے اپنی اسی صلاحیت کے بل بوتے پر آئی سی سی مینز ٹی ۲۰ ورلڈ کپ اور ایشیا کپ جیسے بڑے عالمی ایونٹس میں جگہ بنا کر دنیا کو حیران کیا۔ نیپالی کرکٹ کی اس طویل جدوجہد کا سب سے بڑا ثمر نیپال پریمیئر لیگ کی صورت میں سامنے آیا ہے، جو ملک میں کرکٹ کے تجارتی اور پیشہ ورانہ ڈھانچے کو مضبوط کر رہی ہے۔ اس لیگ کو آئی سی سی کی باقاعدہ سرپرستی حاصل ہے، جس کے باعث یہاں ہونے والے مقابلے عالمی معیار کے مطابق منعقد کیے جا رہے ہیں۔ لیگ میں دنیا بھر سے نامور غیر ملکی کرکٹرز شامل ہو رہے ہیں، جس سے مقامی نوجوان کھلاڑیوں کو بین الاقوامی تجربہ کار کھلاڑیوں کے ساتھ کھیلنے اور سیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔ امپائرنگ کے معیار اور فیصلوں کی درستگی کے لیے لیگ میں جدید ترین ٹیکنالوجی اور ریویو سسٹم کا استعمال کیا جا رہا ہے۔ کرکٹ ایسوسی ایشن آف نیپال اور بڑے کاروباری اداروں کی سرمایہ کاری کی بدولت یہ لیگ ملک کی تاریخ کا سب سے بڑا اسپورٹس ایونٹ بن چکی ہے

بانکے میں دو کاروں میں ہولناک تصادم، ایک شخص جاں بحق، ٦ زخمی

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
لمبینی

نیپال کے ضلع بانکے میں سابق-مغرب شاہراہ پر دو تیز رفتار کاروں کے درمیان ہونے والے ہولناک تصادم کے نتیجے میں ایک بزرگ شہری جاں بحق اور خواتین سمیت ٦ افراد شدید زخمی ہو گئے۔ ضلعی پولیس آفس بانکے کے مطابق یہ افسوسناک حادثہ راپتی سوناری گاؤں پالیکا-۱ (سوری) کے مقام پر پیش آیا۔ کوہل پور سے کاٹھمنڈو کی طرف جانے والی کار (Ba Pr 01-032 Cha 3618) اور دانگ کے علاقے گھوراہی سے نیپال گنج کی جانب آنے والی کار (Ba Pr 01-030 Cha 8496) تیز رفتاری کے باعث آمنے سامنے سے ٹکرا گئیں۔ تفصیلات کے مطابق حادثے میں شدید زخمی ہونے والے کیلالی (دھنگڑھی) کے رہائشی ۷۳ سالہ ٹیک بہادر شاہی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے ہسپتال میں دوران علاج دم توڑ گئے۔ پولیس ذرائع نے بتایا کہ حادثے میں دونوں گاڑیوں میں سوار دیگر ٦ افراد بھی شدید زخمی ہوئے ہیں۔ زخمیوں میں اوم بھکت یوگی، پریتی یوگی اور سپریا گری شامل ہیں، جنہیں فوری طور پر نیپال گنج کے نیورو ہسپتال منتقل کیا گیا ہے۔ ایک کار کے ڈرائیور نریندر بہادر شاہی کا علاج سنجیونی کالج آف میڈیکل سائنسز میں جاری ہے۔ پولیس نے دوسری کار کے ڈرائیور کو حراست میں لے کر گاڑیوں کو قبضے میں لے لیا ہے اور حادثے کی وجوہات جاننے کے لیے باقاعدہ تفتیش کا آغاز کر دیا ہے

کپل وستو میں ممنوعہ منشیات کے ساتھ خاتون گرفتار، ۹ گرام سے زائد براؤن شوگر برآمد

احمد رضا ابن عبدالقادر اویسی
نمائندہ نیپال اردو ٹائمز
کپل وستو

پولیس نے ایک کامیاب کارروائی کے دوران کپل وستو کی شیوراج میونسپلٹی سے ایک ۲۳ سالہ خاتون کو بھاری مقدار میں ممنوعہ منشیات "براؤن شوگر" سمیت گرفتار کر لیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق، وارڈ پولیس آفس چندروتا کی ایک خصوصی ٹیم نے خفیہ اطلاع پر شیوراج میونسپلٹی-۲، ہلانگر میں واقع ایک گھر پر چھاپہ مارا۔ تلاشی کے دوران پولیس نے کمرے میں موجود سیاہ رنگ کے خواتین کے ہینڈ بیگ سے ۹ گرام اور ۲٤٪ ملی گرام براؤن شوگر (ہیروئن) برآمد کی۔ گرفتار خاتون کی شناخت ۲۳ سالہ اسمتا بوہورا کے نام سے ہوئی ہے جو کہ اسی علاقے کی مقامی رہائشی بتائی جاتی ہے۔ ڈسٹرکٹ پولیس افسر اور ڈی ایس پی رپیندر کمار سنگھ نے واقعے کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ منشیات کے ساتھ ساتھ ملزمہ کے قبضے سے ایک ڈیجیٹل وزنی مشین بھی برآمد کی گئی ہے، جسے وہ منشیات کی ناپ تول کے لیے استعمال کرتی تھی۔ پولیس نے ملزمہ کو حراست میں لے کر منشیات ایکٹ کے تحت مقدمہ درج کر لیا ہے اور مزید تفتیش جاری ہے۔ حکام کے مطابق، کپل وستو ضلع میں منشیات کے خلاف مہم تیزی سے جاری ہے۔ جاریہ مالی سال کے دوران اب تک منشیات کے ۱۵ مقدمات درج کیے جا چکے ہیں، جن میں ۷ خواتین سمیت کل ۱۳۰ افراد کو سلاخوں کے پیچھے بھیجا جا چکا ہے۔

خصوصی تعاون

قاضی نیپال فاؤنڈیشن یونٹ دوحہ قطر نے ہر ماہ مالی تعاون کرنے کا عزم مصمم کیا ہے نیپال اردو ٹائمز ادارتی ٹیم اس کے لیے مذکورہ فاؤنڈیشن کا شکریہ ادا کرتی ہے اللہ کریم اپنے امان میں رکھے

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, RupandehiLumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

وسط مدتی انتخابات کے بعد ایران پر حملے کی تیاری، ٹرمپ کا خلیجی ممالک کو انتباہ

واشنگٹن:(ایجنسیاں) ایران اور امریکا کے درمیان کشیدگی ایک بار پھر بڑھنے کے خدشات ظاہر کیے جا رہے ہیں۔ امریکی اخبار وال اسٹریٹ جرنل کی ایک رپورٹ کے مطابق، امریکی انتظامیہ خلیجی ممالک کو ایران کے خلاف ممکنہ مختصر مگر شدید فوجی کارروائی کے لیے تیار رہنے کا اشارہ دے رہی ہے۔ رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ امریکی فوج خطے میں دفاعی نظام، گولہ بارود اور جنگی طیاروں کی تیاری سمیت متعدد فوجی اقدامات کر رہی ہے۔ تاہم، امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ کی جانب سے ایران پر حملے کا حتمی فیصلہ کیے جانے کی تصدیق نہیں ہوئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق، امریکا اور اسرائیل ایران کی فوجی صلاحیتوں کو مزید کمزور کرنے اور اسے مذاکرات کی میز پر لانے کے لیے نئی فوجی کارروائیوں کے امکانات پر غور کر رہے ہیں۔ اس پیش رفت نے مشرقِ وسطیٰ میں ممکنہ فوجی تصادم اور اس کے علاقائی اثرات سے متعلق خدشات کو بڑھا دیا ہے۔ وال اسٹریٹ جرنل نے حکام کے حوالے سے بتایا ہے کہ امریکی فوج ٹیکساس سے پیٹریاٹ میزائل دفاعی نظام مشرقِ وسطیٰ منتقل کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ، ان فوجی اڈوں سے اہلکاروں کو منتقل کیے جانے کی اطلاعات ہیں جہاں ممکنہ حملوں کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ امریکی افواج گولہ بارود کے ذخائر دوبارہ بھرنے اور بمبار و لڑاکا طیاروں کو ممکنہ کارروائی کے لیے تیار کرنے میں بھی مصروف بتائی جا رہی ہیں۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ آئندہ ماہ مشرقِ وسطیٰ میں ایک اضافی طیارہ بردار بحری بیڑا اور میرینز پر مشتمل ایک مہماتی یونٹ تعینات کیے جانے کی توقع ہے۔ اس کے بعد خطے میں امریکی بحریہ کے جنگی جہازوں کی تعداد تقریباً 20 ہونے کا امکان ظاہر کیا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق، امریکی صدر ٹرمپ نے ابھی تک حملے کا حتمی فیصلہ نہیں کیا، تاہم ان کے مؤقف سے واقف ذرائع کا کہنا ہے کہ وہ 3 نومبر کو ہونے والے وسط مدتی انتخابات کے بعد بڑے پیمانے پر فوجی کارروائی کے حق میں ہیں۔ ممکنہ کارروائی میں ایران کے بنیادی ڈھانچے اور جوہری تنصیبات کو نشانہ بنائے جانے کا امکان بھی ظاہر کیا گیا ہے۔

دوسری جانب، امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ نے منگل کو ٹیکساس کے شہر لببوک میں ایک انتخابی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے ایران کے خلاف سخت مؤقف اختیار کیا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ امریکا نے ایران کے ساتھ جنگ شروع نہیں کی، بلکہ ایران 1979ئ سے امریکا کے خلاف کارروائیوں میں ملوث رہا ہے اور ہزاروں امریکی فوجیوں کی ہلاکت کا ذمہ دار ہے۔ ٹرمپ نے سابق امریکی رہنماؤں کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ انہیں کئی دہائیاں پہلے ایران کے خلاف کارروائی کرنی چاہیے تھی، لیکن ان میں ایسا کرنے کی ہمت یا دانش مندی نہیں تھیانہوں نے ایران کے حوالے سے کہا کہ اگر انہیں اعتراض نہ ہو تو چند ہفتوں میں ایران کی صورتِ حال دیکھنے کو مل سکتی ہے۔ ان کے اس بیان کو ایران کے خلاف ممکنہ آئندہ اقدامات کے تناظر میں اہم قرار دیا جا رہا ہے۔

ایران کا امریکہ پر وعدہ خلافی کا الزام

تہران:(ایجنسیاں) ایران کی وزارت خارجہ کے ترجمان اسماعیل بقائی نے بدھ کو امریکہ کے صدر ڈونالڈ ٹرمپ کے 14 نکاتی مفاہمت کی یادداشت سے متعلق بیان پر سخت تنقید کرتے ہوئے واشنگٹن پر اپنے وعدوں سے پھرنے کا الزام لگایا۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کو اپنے طرز عمل کے لیے جواب دہ ہونا چاہیے اور بین الاقوامی ذمہ داریوں سے بچنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس پر ایک پوسٹ میں بقائی نے کہا، "سفارت کاری کے تئیں واشنگٹن کی بے اعتنائی ایک بار پھر واضح ہو گئی ہے۔ صدر ٹرمپ کا یہ اعتراف کہ انہیں اسلام آباد مفاہمت کی یادداشت پر کبھی یقین نہیں تھا اور وہ اسے وقت کا ضیاع سمجھتے تھے، ان کے سفارتی وعدوں کی کھوکھلی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔' انہوں نے مزید کہا کہ ایران کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ واشنگٹن کا طویل ریکارڈ رہا ہے کہ وہ اپنے وعدوں سے پھر جاتا ہے اور جب بین الاقوامی ذمہ داریاں اس کے لیے مشکل یا غیر موزوں ہو جاتی ہیں تو انہیں نظر انداز کرنے لگتا ہے۔ ایرانی ترجمان نے یورپی ممالک اور واشنگٹن کے دیگر حامیوں کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔ انہوں نے کہا، "یورپی ممالک اور واشنگٹن کے دیگر حامیوں کے پاس اس بات کا کوئی جواز نہیں ہے کہ وہ امریکی غلط کاریوں پر پردہ ڈالتے رہیں اور اسے جواب دہی سے بچاتے رہیں۔'

'بقائی کے مطابق، وعدہ خلافیوں کو معاف نہیں کیا جا سکتا، بین الاقوامی قانون کا اطلاق اپنی مرضی سے نہیں ہونا چاہیے اور سیاسی بیانات کے ذریعے امریکہ کو اس کی ذمہ داریوں سے بری نہیں کیا جا سکتا۔ بقائی کا یہ بیان ایران کے ساتھ جاری تنازع کے بارے میں ٹرمپ کے حالیہ تبصروں کے بعد سامنے آیا ہے۔ بدھ کو امریکی ریاست ٹیکساس کے شہر لباک میں ایک انتخابی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے ٹرمپ نے کہا کہ امریکہ نے ایران کے ساتھ جنگ شروع نہیں کی تھی، بلکہ ایران 1979 سے امریکہ کے خلاف جنگ کرتا آ رہا ہے۔ ٹرمپ نے کہا، "امریکہ نے ایران کے ساتھ جنگ شروع نہیں کی۔

ایران 1979 سے امریکہ کے خلاف جنگ چھیڑے ہوئے ہے۔ اس نے ہمارے بہت سے عظیم لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ اس نے ہمارے ہزاروں فوجیوں کو مارا اور بہت سے دوسرے فوجیوں کو زخمی کیا ہے۔" انہوں نے اس معاملے سے نمٹنے میں سابق امریکی رہنماؤں کی کارکردگی پر بھی تنقید کی۔ ٹرمپ کے بقول، سابق رہنماؤں کو یہ مسئلہ بہت پہلے حل کر لینا چاہیے تھا، لیکن ان میں ایسا کرنے کی نہ ہمت تھی اور نہ ہی سمجھ بوجھ۔ ایران کے ساتھ جنگ ختم

ہندوستان اور آسٹریلیا کی فوجی مشق، دفاعی تعاون مضبوط بنانے پر زور

ترواننت پورم،:(ایجنسیاں) ہندوستان میں آسٹریلیا کے ہائی کمشنر فلپ گرین نے کیرالا کے شہر ترواننت پورم میں جاری ہندوستان اور آسٹریلیا کی مشترکہ فوجی مشق 'آسٹر ہند 2026' کا دورہ کیا۔ اس موقع پر انہوں نے دونوں ملکوں کے درمیان فوجی تعاون کو مضبوط بنانے میں اس مشق کے کردار کو سراہا۔ دفاعی امور کے تعلقات عامہ کے افسر کے مطابق، فلپ گرین نے ہندوستان کو آسٹریلیا کا ایک اہم سکیورٹی شراکت دار قرار دیتے ہوئے دونوں ملکوں کے تعلقات میں مشرقی بحر ہند کی اسٹریٹجک اہمیت پر بھی زور دیا۔ دفاعی امور کے افسر نے منگل کو بتایا کہ فلپ گرین نے ابھرتے ہوئے سکیورٹی چیلنجوں سے نمٹنے اور آزاد و کھلے ہند-بحرالکاہل خطے کو برقرار رکھنے کے لیے دفاعی تعاون مزید گہرا کرنے کی ضرورت اجاگر کی۔ انہوں نے کہا کہ 'آسٹر ہند' جیسی مشترکہ فوجی مشقیں دونوں ملکوں کے درمیان اسٹریٹجک اعتماد، فوجی کارروائیوں میں باہمی تال میل اور فوج سے فوج کے درمیان تعاون کو مضبوط بناتی ہیں۔ 24 اکتوبر کو ایکس پر اپنی پوسٹ میں فلپ گرین نے کہا تھا کہ جیسے جیسے ہندوستان اور آسٹریلیا کی اسٹریٹجک شراکت داری مضبوط ہو رہی ہے، دونوں ملکوں کی افواج کے درمیان روابط کی اہمیت بھی بڑھتی جا رہی ہے۔

انہوں نے بتایا کہ انہوں نے کیرالا میں جاری 'آسٹر ہند' مشق میں حصہ لینے والے آسٹریلوی فوج کی 13 ویں بریگیڈ کے 120 اہلکاروں سے ملاقات کی۔ انہوں نے فوجی تربیت کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ فوجی مشق کا مقصد

لڑنے اور جیتنے کی تیاری کرنا ہے۔ ہندوستانی اور آسٹریلیائی فوجی اہلکار اس مشترکہ مشق کے دوران جنگلات، جزیروں اور ساحلی علاقوں میں جنگی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ اس میں پانی میں جنگی تیراکی، رسی کے ذریعے ہیلی کاپٹر یا بلند مقامات سے نیچے اترنے کی مشق، گھات لگا کر حملہ کرنے کی تربیت اور ڈرون چلانے کی مشقیں شامل ہیں۔ وزارت دفاع کے مطابق، 'آسٹر ہند 2026' کی پانچویں مشق کا آغاز 19 اکتوبر کو ترواننت پورم کے فارن ٹریننگ نوڈ میں ہوا تھا اور یہ یکم نومبر تک جاری رہے گی۔ اس میں ہندوستانی فوج اور آسٹریلیائی فوج کے تقریباً120،120 اہلکار حصہ لے رہے ہیں۔ اس مشق کا مقصد دونوں افواج کی جنگی مہارت، آپریشنل تیاری، ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کارروائی کرنے کی صلاحیت اور باہمی تال میل کو بہتر بنانا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہندوستان اور آسٹریلیا کے درمیان باہمی اعتماد اور دفاعی تعاون کو بھی فروغ دینا ہے۔ ہندوستانی فوج کے دستے میں گڑھوال رائفلز کے جوانوں کے علاوہ دیگر فوجی شعبوں اور خدمات سے وابستہ اہلکار شامل ہیں، جبکہ آسٹریلیا کی جانب سے 13 ویں بریگیڈ کے فوجی اس مشق میں حصہ لے رہے ہیں۔ یہ مشق اقوام متحدہ کے منشور کے باب 7 کے تحت جزیرہ جاتی اور ساحلی ماحول میں مشترکہ غیر روایتی فوجی کارروائیوں کے موضوع پر منعقد کی جا رہی اس کا مقصد جزائر اور ساحلی علاقوں میں فوجی آپریشن انجام دینے کے لیے حکمت عملی ہے۔، طریقوں اور کارروائی کے ضابطوں کے بارے میں دونوں افواج کے درمیان مشترکہ سمجھ بوجھ پیدا کرنا ہے۔ مشق کے دوران دونوں ملکوں کے فوجی اہلکار مشترکہ منصوبہ بندی، جنگی حکمت عملی کی مشقوں اور حقیقی حالات سے قریب تر ماحول میں تربیت حاصل کریں گے۔ اس میں فضائی اور سمندری پہلوؤں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ تربیت کے دوران ساحلی اور جزیرہ جاتی علاقوں میں مربوط کارروائیوں، نگرانی، جاسوسی اور معلومات جمع کرنے، اہم تنصیبات کی حفاظت اور انسانی امداد و آفات سے نمٹنے کے اقدامات پر توجہ دی جائے گی۔ دونوں ملکوں کے فوجی اہلکار اپنے پیشہ ورانہ تجربات اور بہترین طریقہ کار کا تبادلہ بھی کریں گے، تاکہ ان کی آپریشنل صلاحیت اور باہمی تال میل بہتر ہو سکے۔ جسمانی تربیت اور ڈرون چلانے کی مشقیں بھی اس پروگرام کا حصہ ہیں۔ اس سال پہلی مرتبہ نیوزی لینڈ کے مبصرین کا ایک وفد بھی 'آسٹر ہند 2026' میں شرکت کر رہا ہے۔ اس سے اب تک ہندوستان اور آسٹریلیا کے درمیان ہونے والی اس دو طرفہ فوجی مشق میں مبصرین کی شرکت کا ایک نیا پہلو شامل ہوا ہے۔ اس مشق کا چوتھا ایڈیشن 13 سے 26 اکتوبر 2025 تک آسٹریلیا کے شہر پرتھ میں واقع ارون بیرکس میں منعقد ہوا تھا۔ وزارت دفاع کے مطابق، 'آسٹر ہند 2026' سے ہندوستان اور آسٹریلیا کے درمیان فوجی تعاون، مشترکہ کارروائیوں کی صلاحیت اور باہمی اعتماد مزید مضبوط ہونے کی توقع ہے۔ یہ مشق ہند-بحرالکاہل خطے میں امن، استحکام اور سلامتی برقرار رکھنے کے لیے دونوں ملکوں کے مشترکہ عزم کو بھی نمایاں کرتی ہے۔

اسرائیل میں انتخابات، نیتن یاہو کو اقتدار سے ہٹانے کی مہم

یروشلم:(ایجنسیاں) اسرائیل میں انتخابات کے لیے ووٹنگ شروع ہو گئی ہے۔ ملک کے 73,31,981 ووٹر اپنے حق رائے دہی کا استعمال کر رہے ہیں۔ ووٹنگ منگل کی رات مقامی وقت کے مطابق 10 بجے ختم ہو گی۔ انتخابات سے قبل اسرائیلی فوج کے سابق سربراہ اور وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو کے اہم حریف گادی آئزن کوٹ نے 7 اکتوبر 2023 کو حماس کے حملے اور قتل عام کا حوالہ دیتے ہوئے ووٹروں سے اپنی جماعت یاشار کے حق میں ووٹ ڈالنے کی اپیل کی۔ گادی آئزن کوٹ نے ووٹنگ شروع ہونے سے کچھ دیر پہلے سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس پر لکھا، "جب آپ ووٹ ڈالنے جائیں تو صبح 6 بج کر 29 منٹ کے اس وقت کو یاد رکھیں۔ آج ہمارے پاس بیلٹ باکس میں ووٹ ڈال کر 7 اکتوبر والی حکومت اور ذمہ داریوں سے بچنے والی قیادت کو بدلنے اور اسرائیل کو ایک نئی اور بہتر راہ پر لے جانے کا موقع ہے۔ ہمیں اس قابل ہونا چاہیے۔ میں اس کے لیے پر عزم ہوں۔" آئزن کوٹ کی قیادت میں اپوزیشن اتحاد 7 اکتوبر کے حملے کی ذمہ داری طے کرنے اور اس واقعے کی تحقیقات کے لیے ایک آزاد کمیشن قائم کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ آئزن کوٹ کو سلامتی کے معاملے میں سخت موقف رکھنے والا رہنما سمجھا جاتا ہے۔

ان کی انتخابی مہم کا اہم نکتہ یہ ہے کہ نیتن یاہو اسرائیل کی سلامتی کے لیے خطرہ بن چکے ہیں۔ منگل کے انتخابات سے قبل اپنے آخری پیغام میں آئزن کوٹ نے کہا کہ انتخابات کے نتائج آنے اور نئی حکومت قائم ہونے کے فوراً بعد بنجمن نیتن یاہو کو اپنا عہدہ چھوڑ دینا چاہیے۔

انہوں نے کہا کہ نئی حکومت کی تشکیل تیزی سے مکمل کی جانی چاہیے اور وہ اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ ایسا ہی ہو۔ ان کے مطابق اسرائیلی عوام ایسے وزیر اعظم کا انتخاب کریں گے جو ہمیشہ اسرائیل کے مفاد میں فیصلے کرے، سیاسی فائدے کے لیے ملک کی سلامتی اور اسرائیلی فوج کے جوانوں کو داؤ پر نہ لگائے۔ یسرائیل بیتینو پارٹی کے رہنما اویگدور لائبرمین نے بھی نیتن یاہو کے خلاف اسی طرح کا موقف اختیار کیا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ نیتن یاہو کے خلاف ووٹ دینا ایک مضبوط اسرائیل کے حق میں ووٹ دینے کے برابر ہے۔ ووٹنگ سے ایک روز قبل اپنے پوتے کے ساتھ تصویر شیئر کرتے ہوئے لائبرمین نے لکھا کہ اگر سب لوگ ووٹ ڈالنے کے لیے نکلیں تو ان کا پیارا پوتا ایسے ملک میں بیدار ہو گا جہاں ہر شخص کے لیے فوج یا شہری خدمات انجام دینا ضروری ہو گا، سب لوگ اپنی ذمہ داریاں نبھائیں گے اور قانون کی نظر میں سب برابر ہوں گے۔ انہوں نے ایسے اسرائیل کی خواہش ظاہر کی جہاں شہری شادیوں کی اجازت ہو، تمام بچوں کو بنیادی نصاب کے مطابق تعلیم دی جائے اور لوگوں پر کسی طرز زندگی کو زبردستی مسلط کرنے کے بجائے انہیں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا حق حاصل ہو۔ لائبرمین نے مزید کہا کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کا پوتا ایک خوش حال، صہیونی، متوازن اور مضبوط اسرائیل میں پرورش پائے۔ انہوں نے اسے اپنا عہد قرار دیتے ہوئے ووٹروں سے اپیل کی کہ وہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے پولنگ مراکز کا رخ کریں۔ ان کے مطابق یہ جدوجہد ان کے پوتے اور ملک کے تمام بچوں اور آنے والی نسلوں کے مستقبل کے لیے ہے۔ ڈیموکریٹس پارٹی کے رہنما یائیر گولان بھی حکومت کی تبدیلی کے لیے مہم چلا رہے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ نیتن یاہو کی حکومت 7 اکتوبر کے حملے کی تحقیقات کے لیے اب تک آزاد کمیشن قائم کرنے کی مخالفت کرتی رہی ہے۔

گولان نے کہا کہ صرف حقیقی تبدیلی کے حق میں ووٹ ڈالنے سے نیتن یاہو اور ان کی پالیسیوں دونوں کو اقتدار سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ ان کے مطابق ڈیموکریٹک اتحاد کی مضبوط کامیابی ہی ایسی نئی حکومت کی تشکیل کی ضمانت دے سکتی ہے جو موجودہ حکومت کی جگہ لے سکے۔ گولان نے الزام لگایا کہ نیتن یاہو کی حکومت آزاد تحقیقاتی کمیشن کے بجائے سیاسی تقرریوں پر مشتمل کمیشن قائم کرنا چاہتی ہے، جبکہ وزیر اعظم نے اپنی نگرانی میں ہونے والی ناکامیوں کی ذاتی ذمہ داری قبول کرنے سے بھی گریز کیا ہے۔ دوسری جانب بنجمن نیتن یاہو اپنی انتخابی مہم میں اپوزیشن کو بائیں بازو کا اتحاد قرار دے رہے ہیں۔

ان کا دعویٰ ہے کہ اپوزیشن جماعتوں کو حکومت بنانے کے لیے عرب جماعتوں کی حمایت لینا پڑ سکتی ہے، جسے اسرائیل کے بہت سے ووٹر پسند نہیں کرتے۔ پیر کی رات ایکس پر اپنے پیغام میں نیتن یاہو نے لکھا کہ اسرائیل کے دشمن چاہتے ہیں کہ ان کا ملک ہار جائے، کیونکہ اس صورت میں آئزن کوٹ، لائبرمین، یائیر گولان اور عرب جماعتوں پر مشتمل ایک خطرناک بائیں بازو کی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ انہوں نے اس امکان کو روکنے کے لیے ووٹروں سے اپنی جماعت لیکوڈ کے حق میں ووٹ ڈالنے کی اپیل کی۔ منگل کو ووٹوں کی گنتی مکمل ہونے کے بعد اسرائیل کے صدر اسحاق ہرزوگ منتخب جماعتوں کے رہنماؤں سے مشاورت کریں گے۔ اس کے بعد وہ اس قانون ساز کو حکومت بنانے کی دعوت دیں گے جس کے بارے میں ان کا خیال ہو گا کہ وہ اس کام میں سب سے زیادہ کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس رہنما کو اتحادی حکومت تشکیل دینے کے لیے 28 دن ملیں گے، جس میں مزید 14 دن کی توسیع بھی ممکن ہو گی۔ اگر پہلا امیدوار حکومت بنانے میں ناکام رہتا ہے تو کسی دوسری جماعت کے رہنما کو 28 دن کا وقت دیا جا سکتا ہے، تاہم اس مدت میں توسیع نہیں ہو گی۔ اگر وہ بھی ناکام ہو جاتا ہے تو پارلیمنٹ کے کم از کم 61 ارکان مزید 21 دن کے اندر صدر سے کسی مخصوص قانون ساز کو حکومت بنانے کی ذمہ داری سونپنے کی درخواست کر سکتے ہیں۔

اولیشکی کے اطراف روس اور یوکرین کے درمیان جنگ بندی نافذ

واشنگٹن:(ایجنسیاں)امریکہ کی خاتونِ اول میلانیا ٹرمپ نے منگل کے روز اعلان کیا کہ روس اور یوکرین کے درمیان اولیشکی کے اطراف جنگ بندی نافذ ہو گئی ہے۔ اس پر طے شدہ وقت سے دو دن پہلے عمل درآمد شروع ہوا ہے۔ اس اقدام کا مقصد شہریوں کی حفاظت اور جنگ سے متاثرہ علاقے میں ضروری انسانی امداد کی فراہمی کو آسان بنانا ہے۔ سوشل میڈیا پلیٹ فارم ایکس پر ایک پوسٹ میں میلانیا ٹرمپ نے کہا کہ جنگ بندی 27 اکتوبر 2026 کو ماسکو کے وقت کے مطابق صبح چار بجے نافذ ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ شہریوں کی حفاظت اور اہم انسانی امداد کی فراہمی میں سہولت کے لیے جنگ بندی کے نفاذ کا وقت دو دن پہلے کر دیا گیا۔ اس کا جغرافیائی دائرہ خرسون علاقے کے اولیشکی سے آگے تک بڑھا دیا گیا ہے، تاکہ انسانی امداد لے جانے والے قافلوں کو محفوظ راستہ فراہم کیا جا سکے۔ میلانیا کے مطابق، روسی مسلح افواج کے جنرل اسٹاف کے سربراہ جنرل والیری واسیلیوِچ نے بھی اس کی تصدیق کی ہے۔ وائٹ ہاؤس نے 23 اکتوبر کو دی تھی جنگ بندی کی اطلاع

یہ اعلان وائٹ ہاؤس کے 23 اکتوبر کو جاری کردہ بیان کے بعد سامنے آیا ہے، جس میں کہا گیا تھا کہ میلانیا ٹرمپ نے روس اور یوکرین کے درمیان اولیشکی میں محدود علاقے کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کرانے میں کامیابی حاصل

کی ہے۔ اس کا مقصد عارضی طور پر فوجی کارروائیاں روکنا، انسانی امداد پہنچانا اور شہریوں کو محفوظ راستے سے نکالنے میں مدد فراہم کرنا تھا۔ اپنے پہلے بیان میں میلانیا ٹرمپ نے کہا تھا کہ اولیشکی کی صورت حال انتہائی تشویش ناک ہے اور یہ محاذِ جنگ پر واقع ایک ایسا شہر ہے جو تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ ان کے مطابق، شہر میں باقی رہ جانے والی زیادہ تر آبادی بزرگ افراد پر مشتمل ہے، جنہیں فوری طور پر طبّی امداد، ادویات، خوراک اور صاف پانی کی ضرورت ہے۔ انہوں نے شہریوں کو درپیش مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا تھا کہ علاقے میں بجلی کی محدود فراہمی، بارودی سرنگوں سے متاثرہ سڑکوں اور مسلسل فوجی حملوں کے باعث حالات انتہائی دشوار ہیں۔ ایسے میں انسانی امداد کی فراہمی اور شہریوں کے انخلا کے لیے محفوظ راستے کی فراہمی ناگزیر ہے۔ روس اور یوکرین کے حکام کے ساتھ براہِ راست رابطہ

وائٹ ہاؤس کے مطابق، میلانیا ٹرمپ اور ان کے نمائندے نے جنگ بندی کی شرائط کو حتمی شکل دینے کے لیے روس اور یوکرین کے اعلیٰ حکام کے ساتھ براہِ راست کام کیا۔ اس عمل میں جنگ بندی کے وقت، تکنیکی طریقۂ کار اور عملی انتظامات کو شامل کیا گیا۔ میلانیا نے یہ بھی کہا کہ دونوں ممالک کے شہری نمائندے متاثرہ علاقے میں لوگوں کے گھروں کا دورہ کر کے ان کی ضروریات کا جائزہ لیں گے۔ جو افراد وہاں سے نکلنا چاہیں گے، انہیں مربوط مدد اور نقل و حمل کی سہولت فراہم کی جائے گی، تاکہ وہ روس یا یوکرین میں اپنی پسند کی منزل تک پہنچ سکیں۔ انہوں نے مزید اعلان کیا کہ امریکہ کا ایک غیر جانب دار میڈیا ادارہ زمینی سطح پر کام کرنے والی ٹیموں کے ساتھ رہے گا اور ان کی سرگرمیوں کو ریکارڈ کرے گا، تاکہ اس بات کو یقینی بنانے میں مدد ملے کہ متاثرہ خاندانوں کی خواہشات کا احترام کیا جائے۔ نیویارک میں انسانی بحران کی جانب توجہ دلائی گئی

میلانیا ٹرمپ نے بتایا کہ اولیشکی میں انسانی بحران کے بارے میں انہیں نیویارک میں منعقدہ اپنے پروگرام 'فوسٹرنگ دی فیوچر ٹوگیدر' کے دوران ایک نجی گفتگو میں آگاہ کیا گیا تھا۔ یہ پروگرام اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 81 ویں اجلاس کے موقع پر منعقد ہوا تھا۔ جنوبی یوکرین میں دریائے دنیپرو کے پار خرسون کے مقابل واقع اولیشکی کی جنگ سے پہلے آبادی تقریباً24 ہزار تھی۔ وائٹ ہاؤس کے پہلے بیان میں پیش کیے گئے تخمینوں کے مطابق، شہر میں اب صرف 1700 سے 2000 افراد باقی رہ گئے ہیں، جن میں زیادہ تر بزرگ شہری ہیں۔ ان کے علاوہ تقریباً50 بچے بھی شہر میں موجود ہیں۔

Published By: Ulama Foundation Nepal,Bhairahwa, RupandehiLumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

تحریک پیغامِ انسانیت کے بینر تلے عظیم الشان تحفظِ ناموسِ رسالت کانفرنس بحسن وخوبی اختتام پذیر

(بدل باغ، مہراج گنج، پریس ریلیز: نیپال اردو ٹائمز)

بدل باغ، مہراج گنج کی سرزمین پر گزشتہ 22 اکتوبر، بروز جمعرات، تحریک پیغامِ انسانیت کے زیرِ اہتمام ایک روزہ عظیم الشان تحفظِ ناموسِ رسالت کانفرنس کا انعقاد کیا گیا، جس کی صدارت مخیرِ قوم وملت، مجاہدِ اہلِ سنت حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین مصباحی صاحب قبلہ، بانی تحریک پیغامِ انسانیت نے فرمائی۔ یہ اجلاس عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تحفظِ ناموسِ رسالت اور اتحادِ اہلِ سنت کے حوالے سے ایک اہم اور یادگار اجتماع ثابت ہوا۔

حضرت علامہ مفتی محمد نظام الدین مصباحی صاحب قبلہ کی دینی، سماجی اور فلاحی خدمات بھی لائقِ تحسین ہیں۔ آپ نے تحریک پیغامِ انسانیت کے پلیٹ فارم سے خدمتِ خلق کو اپنی جدوجہد کا نمایاں مقصد بنایا ہے۔ آپ کا جذبۂ خدمت کسی ایک علاقے تک محدود نہیں، بلکہ ہندوستان کے مختلف خطوں سمیت جہاں کہیں بھی انسانی ہمدردی، مالی تعاون اور امداد کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، وہاں آپ اور تحریک پیغامِ انسانیت کی جانب سے حتی المقدور تعاون کی کوشش کی جاتی ہے۔ بالخصوص غریب و مستحق بچیوں کی شادی بیاہ کے مواقع پر مالی اعانت، ضرورت مند خاندانوں کی دست گیری اور دیگر فلاحی و رفاہی امور میں آپ کی کاوشیں قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کا یہ عملی کردار اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ خدمتِ انسانیت محض ایک نعرہ نہیں، بلکہ ایک عظیم انسانی و اخلاقی ذمہ داری ہے۔ تحریک پیغامِ انسانیت کے ذریعے آپ ضرورت مندوں کے چہروں پر خوشی بکھیرنے، پریشان حال خاندانوں کا سہارا بننے اور معاشرے میں ہمدردی، اخوت و بھائی چارے کے جذبے کو فروغ دینے کے لیے سرگرمِ عمل ہیں۔ بلاشبہ، خدمتِ خلق کا یہی جذبہ اس تحریک کی اصل روح اور اس کے پیغام کی نمایاں پہچان ہے۔

اس بابرکت موقع پر ممتاز عالمِ دین، افتخار العلماء حضرت علامہ مفتی اختر حسین منظری صاحب قبلہ، گرام پردھان امہوا، اور خلیفۂ حضور گلزارِ ملت، فاضل جامعہ ازہر مصر حضرت علامہ مفتی محمد مصطفیٰ رضا نوری امجدی ازہری صاحب قبلہ کی خصوصی تشریف آوری ہوئی۔ اس کے علاوہ نیپال اردو ٹائمز کے چیف ایڈیٹر حضرت علامہ عبدالجبار علیمی نظامی صاحب قبلہ بھی خصوصی طور پر شریک ہوئے، جن کی آمد سے محفل کی رونق میں مزید اضافہ ہوا۔

پروگرام کی نظامت کے فرائض مولانا آصف رضا نظامی نے نہایت خوش اسلوبی اور بحسن و خوبی انجام دیے، جب کہ کانفرنس کی قیادت خطیبِ باکمال حضرت علامہ مولانا مشتاق احمد نظامی، صدر المدرسین جامعہ عربیہ اہلِ سنت انوارِ طیبہ، بدل باغ، مہراج گنج نے فرمائی۔ رمضان علی تنویر سمیت دیگر نعت خواں حضرات نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں نعت و منقبت کے نذرانے پیش کرکے ماحول کو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے معطر کر دیا۔ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے نیپال اردو ٹائمز کے چیف ایڈیٹر حضرت علامہ عبدالجبار علیمی نظامی صاحب قبلہ نے تحریک پیغامِ انسانیت کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور عوامِ اہلِ سنت کو باہمی اتحاد، اتفاق، اخوت اور دینی و ملی یکجہتی کا پیغام دیا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ اہلِ سنت اپنے دینی تشخص، ملی مفادات اور مذہبی اداروں کے تحفظ کے لیے متحد ہو کر مثبت اور مؤثر کردار ادا کریں۔

اس کانفرنس کا ایک اہم اور قابلِ ذکر مرحلہ جامعہ انوارِ طیبہ کی نو تشکیل شدہ کمیٹی کے اراکین کی گل پوشی کا تھا۔ اس موقع پر کمیٹی کے اراکین کا پرتپاک استقبال کیا گیا اور انہیں مبارک باد پیش کی گئی۔ نیپال اردو ٹائمز کے چیف ایڈیٹر نے نہایت مؤثر انداز میں ان کی ذمہ داریوں کی جانب توجہ دلائی اور اس بات کی تلقین کی کہ وہ جامعہ کی تعلیمی، تربیتی اور دینی ترقی کے لیے پوری دل جمعی، اخلاص اور مستعدی کے ساتھ اپنی خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں فاضل جامعہ ازہر مصر، خلیفۂ حضور گلزارِ ملت حضرت علامہ مفتی محمد مصطفیٰ رضا نوری امجدی ازہری صاحب قبلہ نے اپنے خطاب میں قرآنِ کریم کی آیتِ مبارکہ: "وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ" کو موضوعِ سخن بنایا۔ آپ نے اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں دعوتِ خیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت و افادیت کو نہایت جامع، مدلل اور مؤثر انداز میں بیان فرمایا۔ قرآنِ کریم کی تعلیمات اور متعدد احادیثِ مبارکہ کے دلائل پیش کرتے ہوئے آپ نے واضح کیا کہ معاشرے کی اصلاح، دینی اقدار کے تحفظ اور حق و صداقت کی سربلندی کے لیے نیکی کی دعوت دینا، برائیوں سے روکنا اور اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا نہایت ضروری ہے۔

آپ نے تحفظِ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کو بھی اجاگر فرمایا اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ادبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دینی غیرت و حمیت کے تقاضوں پر روشنی ڈالی۔ آپ نے حاضرین کو اس جانب متوجہ کیا کہ ہر مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق معاشرے میں نیکی کو فروغ دینے، برائیوں کی اصلاح کرنے اور دینِ اسلام کی صحیح تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کرے۔ آپ کا خطاب قرآن و سنت کے دلائل سے مزین اور اصلاحی پیغام کا حامل تھا، جس نے حاضرین کو اپنی دینی و ملی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی جانب متوجہ کیا۔

مجموعی طور پر یہ عظیم الشان کانفرنس تحفظِ ناموسِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو عام کرنے، تحریک پیغامِ انسانیت کے مقاصد کو فروغ دینے، اہلِ سنت کے درمیان اتحاد و اتفاق کو مضبوط بنانے اور دینی اداروں کی ترقی و استحکام کے عزم کی تجدید کا ایک مؤثر ذریعہ ثابت ہوئی۔ شرکائے محفل نے اس امید کا اظہار کیا کہ ایسے دینی و اصلاحی اجتماعات کا سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا، تاکہ معاشرے میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، دینی شعور، دعوتِ خیر اور ملی اتحاد کو مزید فروغ حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ اس مبارک کوشش کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔

منظر اسلام کا جشن دستار بندی اور عرس حامدی۔۔علوم وفنون اور معرفت وروحانیت کا ایک خوبصورت استعارہ

تحریر: مفتی محمد سلیم بریلوی۔ پیش کش: محمد توحید رضا، رکن مدینہ مسجد و رکن علما فاؤنڈیشن نیپال گنج ضلع بانکے

مرکز اہلسنت خانقاہ رضویہ درگاہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف میں منعقد ہونے والے اعراس اپنی نوعیت کے بالکل منفرد اور روحانیت و معرفت سے بھرپور ہوتے ہیں، ان ہی اعراس میں سے ایک عرس حامدی بھی ہے جو روحانیت و معرفت سے مملو ہونے کے ساتھ علوم و فنون کا ایک خوبصورت استعارہ بھی ہے۔

کیونکہ اعراس کا جو تصور ہمارے یہاں ہے کہ عوام اور کہیں کہیں کچھ خواص آئے، کچھ رسوم کی ادائیگی ہوئی اور لنگر کھا کر یہ جا اور وہ جا۔۔۔ یہ عرس حامدی اس تصور سے بالکل جدا ہے۔ اس عرس حامدی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر سال مدارس اہل سنت کے طلبہ کے مابین تحریری و تقریری اور شعری انعامی مقابلہ ہوتا ہے جس کی برکت اور جس کے فیض سے اب تک منظر اسلام کے بہت سارے شاہین صفت طلبہ پختہ قلم کار اور مضمون نگار بن چکے، بہت سارے طلبہ مقبول ترین خطیب اور بہت سارے طلبہ ماہر فن شاعر بن چکے ہیں۔

اس مقابلے کے ساتھ ہی یہ عرس اس طور پر بھی نمایاں ہے کہ اس میں منتہی طلبہ ہر سال محنت کر کے کئی کتابیں مرتب کر کے منظر عام پر لاتے ہیں۔

یوں ہی اس عرس حامدی سے متعلق منظر اسلام میں زیر تعلیم درجہ فضیلت کے طلبہ کی درسی کتاب بخاری شریف کے اختتام و تکمیل کی بھی ایک تقریب جشن ختم بخاری شریف کے نام سے منعقد ہوتی ہے اور اسی میں حضرت حجتہ الاسلام علامہ حامد رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمہ کے شہزادہ اکبر مفسر اعظم حضرت علامہ مفتی ابراہیم رضا خان جیلانی میاں، کہ جن کا سرزمین نیپال سے بہت گہرا رشتہ رہا ہے، ان کے قل شریف کی رسم بھی ادا کی جاتی ہے۔

اس عرس حامدی کا سب سے خوبصورت و دلکش منظر وہ ہوتا کہ جب آخری تقریب کی حیثیت سے قل شریف کی فاتحہ خوانی کے بعد منظر اسلام میں زیر تعلیم درجہ تخصص فی الفقہ، درجہ فضیلت اور درجہ حفظ و قراءت کے طلبہ کی دستار بندی ہوتی ہے اور انعامی مقابلہ میں کامیابی حاصل کرنے والوں نیز ہر درجہ کے امتحانات میں امتیازی نمبر لانے والوں کو ہزاروں روپئے کی قیمت کی کتابیں انعام میں دی جاتی ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ یہ عرس حامدی در حقیقت منارہ علم و عرفان کی حیثیت سے ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ جس کی ہر تقریب میں علوم و فنون اور معرفت و روحانیت کے جلوے ہی جلوے دکھائی پڑتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہ عرس حامدی اعلی حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ کے بڑے شہزادے حجتہ الاسلام علامہ حامد رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات سے منسوب ہے جو امسال 86/ویں عرس کی صورت میں مورخہ 16/17/ جمادی الاولی 1448ھ/29/30/اکتوبر 2026ء بروز جمعرات وجمعہ کو منعقد ہوگا اور اسی کے ساتھ یادگار اعلیٰ حضرت جامعہ رضویہ منظر اسلام کا 123/ واں جشن دستار بندی اور 63/ واں عرس مفسر اعظم بھی منعقد ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو مرکز اہلسنت کے علمی و روحانی فیضان سے مالامال فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

کبھی اے نوجواں مسلم! تدبّر بھی کیا تُو نے

محمد مستجاب مرکزی
البرکات انسٹیٹیوٹ، علی گڑھ؟

وہ قوم جس کا ظہور ایسے مقام سے ہوا جہاں کے حالات نہایت ہی ناگفتہ بہ تھے۔ جہاں ہر طرف ظلمت و جبر کا بازار گرم تھا، جہاں بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ ہر طرف کفر و شرک کے بادل امڑتے نظر آتے تھے، ایسے سنگ لاخ مقام میں ایک ایسے ھادی و مرشد کی ضرورت تھی جو ان گمراہیوں کے دل دل سے نکال کر راہ ھدایت کے چراغ کو روشن فرمائے، جو اپنے نور سے عالم کی تاریکیوں کو منور کر دے، پھر اللہ تبارک و تعالی نے اپنے نور سے اپنے محبوب کو پیدا کیا جس نے دنیا کی تاریکیوں کو منور کر دیا، ظلمت کدے کو امن کا گہوارہ بنا دیا، کفر و شرک کے کالے بادلوں کو چھاٹ کر قنادل ایمان کو منور کیا، پھر اس قوم میں ایسے جانباز پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کی ابیاری کی اور امت مسلمہ ہر لحظہ ترقی کی طرف بڑھتی چلی گئی اور پوری دنیا پر اسلامی پرچم لہرا دیا۔۔۔

لیکن پھر اس امت مسلمہ پر ایک دور ایسا آیا کہ جس قوم کو راہ ترقی کی طرف جانا تھا وہی قوم راہ تنزلی کی طرف چل پڑی اور ذلت اور رسوائی اس قوم کا مقدر بنتی ہوئی نظر آئی، آخر ایسا کیوں؟

Why are the ultimate humility and disgrace

"اگر ہم نظر عمیق سے جائزہ کریں تو اس کی چند بنیادی وجوہات نظر آتی ہیں

(1) دینی تعلیم سے دوری: آج اگر معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہمارا دینی تعلیم کی طرف رجحان بہت کم ہو گیا ہے ہم بھول گئے ہیں کہ یہ وہی تعلیم تھی جس نے ہمیں چلنے کا سلیقہ دیا، بولنے کا طریقہ بتایا، ہماری ہر لمحہ رہنمائی کی، یہی وجہ ہے کہ جب اس قوم کے افراد دینی تعلیم سے کٹ گئے تو ماں باپ کی نافرمان بڑھ گئی لہلہاتے اور مسکراتے گھر اجڑے ہوئے چمن بن گئے ورنہ وہ قوم جس میں اولاد کی تعلیم کا حال یہ تھا کہ ماں باپ کو "اف" تک نہ کہا جائے، آج اسی قوم کا بچہ، ماں باپ کی نافرمانی کرتے ہوئے نظر آ رہا ہے، زبان سب و شتم دراز کرتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس کا دور دور تک تعلیم سے کوئی واسطہ نہیں، اگر رہا تو محض دنیاوی تعلیم سے۔ اس دنوی تعلیم سے اس نے ترقی تو حاصل کی مگر دینی تعلیم کی طرف رجحان بالکل نہیں کیا، جس کی وجہ سے وہ صحابہ کے کردار، اسلاف کی روش سے فراموش رہا اگر انسان دینی تعلیم سے رشتے کو مضبوط کر لے تو وہی زبان جو دشنام طرازی کے لیے کھلتی تھی وہی محبت کا پیغام دیتی ہوئی نظر آئے گی، وہی گھر جو فتنے فساد کا اڈہ بنا ہوا تھا امن و شانتی کا گہوارہ بنتا ہوا معلوم ہوگا۔ جہاں کبھی ظلم و ستم کے بادل چھائے ہوئے تھے، وہاں عدل و انصاف کا سورج طلوع ہو جائے گا، جہاں ہر سو ظلم و تشدد کی آندھیاں چل رہی تھیں، وہاں امن و انصاف کی بہاریں لوٹ آئیں گی۔

(2) سوشل میڈیا سے رغبت: دور جدید میں سوشل میڈیا کا استعمال بہت تیزی کے ساتھ بام عروج پر ہے عوام تو عوام بعض خواص بھی عقل و شعور کو بالائے طاق رکھ کر بصیرت و تدبر سے کام لیے بغیر یقین کر بیٹھے ہیں۔ نہ صرف اپنے روزمرہ کے مسائل بلکہ دینی اور فقہی مسائل کو سوشل میڈیا سے تلاش کرتے ہیں جس کے سبب آئے دن اپنے ہی مؤقف سے انحراف اور اپنے سابقہ اقوال سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں اس کو ہمیشہ اپنے لوحِ ذہن پر ثبت رکھنا ہوگا کہ سوشل میڈیا کا استعمال ایک محدود دائرہ ہے ہر چیز میں اس کا استعمال نفع بخش نہیں، بالالتزام دینی مسائل میں،

(3) اتحاد کا فقدان: آج ہماری قوم میں انتشار پیدا ہو چکا ہے ہماری قوم ٹکڑوں میں منقسم ہو گئی ہے اسی زمین کے اوپر ایک دور ایسا بھی گزرا ہے جہاں امن و سکون سے بھرپور فضا ہوتی تھی، لوگوں کے دل محبت کے گہوارے ہوتے تھے، تفریق مذہب وملت کے باوجود بھی ایک دوسرے کے ساتھ ایکتا اور امن و شانتی کا پیغام باٹتے تھے، لیکن آج جس سمت نظر جاتی ہے ہر طرف ظلم و بربریت کے طوفان گرم ہیں مذہب وملت کے نام پر قوم میں انتشار پیدا ہو چکا ہے، بھائی بھائی کا دشمن بنا ہوا ہے، آج آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں کہ کہاں گئی وہ ہماری محبتیں، کہاں گیا وہ ہمارا بھائی چارہ، کہاں ہے وہ جواں مردی جہاں ایک دوسرے کے لیے جان قربان کرنے تیار رہتے تھے، یاد رکھیں جس قوم میں اتحاد و اتفاق کا فقدان پایا جاتا ہے اس قوم کا شیرازہ بکھرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا، وہ قوم تباہ و برباد ہو گئیں جس قوم کا اتحاد ختم ہو گیا۔ اس بات کو گوش گزار کرلیں۔۔۔

(4) حب دنیا کا دل میں گھر کر جانا: اخرت کی فکر چھوڑ کر آج انسان دنیاوی لذتوں میں گم ہو گیا ہے، کاش وہ جان پاتا کہ اگر اللہ تعالی کے نزدیک دنیا کی مچھر کے پر برابر بھی حیثیت ہوتی تو وہ اس سے کافر کو ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ اگر جانتا ہے تو پھر وہ غفلت کی چادر تانے ہوئے ہے اور تعجب ہے اس شخص پر جو دائمی زندگی والے گھر (یعنی آخرت) کی تصدیق تو کرتا ہے لیکن کوشش دھوکے والے گھر (یعنی دنیا) کے لیے کرتا ہے۔ انسان کو چاہیے کی فنا ہونے والی کو باقی رہنے والی پر ترجیح دے

(5) ٹیکنالوجی اور سائنسی پسماندگی: سائنسی علوم کی آبیاری اور فکری ارتقا میں مسلم علما و محققین کی خدمات ناقابلِ تردید ہیں۔ مگر بیشتر اسلامی ممالک ان جدید علوم میں دوسروں کے محتاج بنے ہوئے ہیں جبکہ یہ اسی قوم کا علمی ورثہ تھا جس نے انسانی فکر کو وسعت بخشی اور سائنسی ارتقا کے نئے دروازے کھولے، یہ وہی ملت تھی جس نے علم و تحقیق کے چراغ روشن کیے اور سائنسی ترقی کی راہیں ہموار کیں۔ مگر افسوس آج وہی قوم سائنسی علوم سے بیزار ہے۔ یاد رکھیں جو قوم جدید علوم، سائنسی تحقیق، ٹیکنالوجی اور معیاری تعلیم میں سرمایہ کاری نہیں کرتی، وہ معاشی اور تکنیکی میدانوں میں دوسروں کی محتاج ہو جاتی ہے۔ پھر انجام یہی ہوتا ہے کہ اس قوم کے پاؤں کو بیڑیوں سے جکڑ لیا جاتا ہے۔ اس کی اڑان کے پروں کو کاٹ دیا جاتا ہے۔ ترقی کے افق پر اپنی شناخت قائم کرنے کے لیے عہدِ جدید کے علمی و سائنسی میدانوں میں آگے بڑھنا ہوگا۔ آسمانوں کی بلند پروازی پر جانے کے لیے جدید ٹیکنالوجی اور سائنسی ترقی کا سہارا لینا ہوگا۔

ہمیں پھر سے اپنی تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے، اپنے تابناک ماضی کی یاد تازہ کر کے روشن مستقبل کی جانب پیش قدمی کرنا ہوگا۔ یاد رکھیں قوموں کی زندگی میں انقلاب اسی وقت آتا ہے جب وہ اپنے ماضی سے سبق سیکھ کر مستقبل کی تعمیر کا عزم کرتی ہیں۔

اے میری قوم کے درخشندہ ستاروں اسلام کے دامن کو مضبوطی سے تھام لو اور اپنے اسلاف کی روش کو اپنا نمونہ عمل بناو اور راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو ختم کر کے راہ ترقی کی طرف بڑھتے رہو، اپنے اندر عقابی روح کو پیدا کرو اور منزل آسمان بناؤ اور یاد رکھو کہ ہمارا تعلق انہی اسلاف سے ہے جو ایسی شاہین کی مانند ہوتے تھے جن کا ٹھکانہ پہاڑوں کی چوٹیاں ہوا کرتی ہیں

Published By: Ulama Foundation Nepal, Bhairahwa, RupandehiLumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

ہفت روزہ
نیپال اردو ٹائمز
Weekly The
NEPAL URDU TIMES
Reg.No: 5310 -2082/2083 -www.nepalurdutimes.com

اسرائیلی انتخابات اور عرب دنیا کا مستقبل

ایڈیٹر کے قلم سے۔۔۔۔۔۔۔

اسرائیل کے انتخابات محض ایک ملک کی داخلی سیاسی سرگرمی نہیں، بلکہ ان کے اثرات پورے مشرقِ وسطیٰ کی سیاست، عرب دنیا کے سفارتی تعلقات اور مسئلہ فلسطین کے مستقبل تک پھیلتے ہیں۔ اسرائیل میں نئی حکومت کی تشکیل اور اس کی پالیسیوں کا تعین اس بات پر اثر انداز ہوگا کہ خطے میں امن و استحکام کی کوششیں آگے بڑھتی ہیں یا کشیدگی کی ایک نئی لہر جنم لیتی ہے۔ عرب ممالک، بالخصوص سعودی عرب، مصر، اردن اور خلیجی ریاستوں کے لیے ان انتخابات کی اہمیت اسی تناظر میں غیر معمولی ہے۔

اسرائیلی سیاست میں دائیں بازو کی جماعتوں کا اثر و رسوخ، فلسطینی ریاست کے قیام سے متعلق اختلافات اور غزہ کی صورتِ حال ایسے عوامل ہیں جو عرب دنیا کے ساتھ اسرائیل کے تعلقات کی سمت متعین کرنے میں اہم کردار ادا کریں گے۔ اگر نئی حکومت فلسطینی مسئلے کے سیاسی حل، جنگ بندی اور غزہ کی تعمیرِ نو کے لیے سنجیدہ اقدامات کرتی ہے تو علاقائی سفارت کاری کے لیے نئی راہیں کھل سکتی ہیں۔ لیکن اگر فلسطینی علاقوں میں آبادکاری، بنیادی حقوق پر پابندیوں اور عسکری کارروائیوں سے متعلق موجودہ تنازعات برقرار رہتے ہیں تو عرب ممالک کے ساتھ تعلقات میں بہتری کی راہ مزید دشوار ہو سکتی ہے۔

مسئلہ فلسطین عرب دنیا کی خارجہ پالیسی کا بنیادی امتحان ہے۔ سعودی عرب سمیت متعدد عرب ممالک نے فلسطینی ریاست کے قیام اور فلسطینی عوام کے حقوق کو علاقائی امن کے اہم تقاضوں کے طور پر پیش کیا ہے۔ ایسے میں اسرائیل کے انتخابات کے بعد تشکیل پانے والی حکومت کے لیے یہ سوال اہم ہوگا کہ وہ فلسطینیوں کے سیاسی مستقبل کے بارے میں کیا مؤقف اختیار کرتی ہے۔ محض سفارتی بیانات یا محدود اقدامات سے خطے میں اعتماد کی فضا قائم نہیں ہو سکتی؛ اس کے لیے زمینی حقائق میں ایسی تبدیلیاں ضروری ہوں گی جو فلسطینی عوام کے حقوق، سلامتی اور سیاسی خودمختاری کے امکانات کو مضبوط بنائیں۔

غزہ کا معاملہ بھی عرب دنیا کے لیے مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ جنگ سے متاثرہ آبادی کی بحالی، انسانی امداد کی فراہمی اور بنیادی ڈھانچے کی تعمیرِ نو کے لیے علاقائی تعاون ناگزیر ہے۔ تاہم تعمیرِ نو کا عمل اسی وقت پائیدار ثابت ہو سکتا ہے جب اس کے ساتھ جنگ بندی، شہریوں کے تحفظ اور فلسطینی عوام کے سیاسی مستقبل کے بارے میں واضح لائحۂ عمل موجود ہو۔ اگر ان بنیادی مسائل کو نظر انداز کیا گیا تو وقتی سفارتی پیش رفت بھی دیرپا امن کی ضمانت نہیں بن سکے گی۔ دوسری جانب ایران اور اسرائیل کے تعلقات بھی مشرقِ وسطیٰ کے مستقبل پر گہرے اثرات مرتب کر سکتے ہیں۔

دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی میں اضافہ لبنان، شام اور خلیجی خطے کی سلامتی کو متاثر کر سکتا ہے۔ عرب حکومتوں کے لیے یہ ایک پیچیدہ صورتِ حال ہے، کیونکہ انہیں ایک طرف اپنی قومی سلامتی اور دفاعی مفادات کا تحفظ کرنا ہے اور دوسری طرف خطے کو کسی وسیع جنگ سے بچانے کے لیے سفارتی کوششیں بھی جاری رکھنی ہیں۔ اس مقصد کے لیے علاقائی مکالمہ، تنازعات کے پُرامن حل اور عالمی طاقتوں کی ذمہ دارانہ سفارت کاری کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اسرائیل کے اندر عرب شہریوں کی سیاسی نمائندگی بھی ایک قابلِ توجہ پہلو ہے۔ عرب جماعتوں کا پارلیمانی کردار اسرائیلی سیاست میں شہری مساوات، سیاسی شمولیت اور فلسطینیوں کے حقوق سے متعلق مباحث کو متاثر کر سکتا ہے۔ تاہم پارلیمان میں نمائندگی میں اضافہ لازماً حکومتی پالیسیوں میں فوری تبدیلی کا سبب نہیں بنتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ سیاسی نمائندگی کو عملی حقوق، مساوی مواقع اور پالیسی سازی میں حقیقی شرکت کے تناظر میں بھی دیکھا جائے۔

عرب دنیا کے لیے ایک اہم چیلنج یہ بھی ہے کہ مختلف ممالک کے قومی مفادات اور خارجہ پالیسیوں میں پائے جانے والے فرق کے باوجود فلسطینی مسئلے اور علاقائی استحکام کے حوالے سے مشترکہ حکمتِ عملی کیسے تشکیل دی جائے۔ اگر عرب ممالک سفارتی سطح پر مربوط مؤقف اختیار کریں، انسانی امداد اور تعمیرِ نو کے لیے تعاون بڑھائیں اور بین الاقوامی قوانین کی پاسداری پر زور دیں تو وہ امن کے عمل میں زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس کے برعکس، باہمی اختلافات اور غیر مربوط اقدامات علاقائی سفارت کاری کے اثر کو محدود کر سکتے ہیں۔

پروفیسر کا لقب کب استعمال کرنا چاہیے اور کب نہیں؟

ڈاکٹر سالم انصاری

آج کے دور میں علمی شناخت، تعلیمی اسناد اور سماجی القاب کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ سوشل میڈیا نے ہر شخص کو یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ اپنی تعلیم، تجربے اور خدمات کو دنیا کے سامنے پیش کرے۔ اسی کے ساتھ ایک رجحان یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض اساتذہ، دینی مدارس سے وابستہ علماء، خطباء، مصنفین اور محققین اپنے نام کے ساتھ ”پروفیسر“ لکھنے لگے ہیں۔ بعض افراد ایسا کسی تعلیمی عہدے کی بنیاد پر کرتے ہیں، بعض اعزازی حیثیت سے، جبکہ بعض کے نزدیک زیادہ علمی وقار ظاہر کرنے کے لیے یہ لقب استعمال کرنا مناسب ہے۔ لیکن بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا ہر استاد پروفیسر ہوتا ہے؟ کیا پی ایچ ڈی کرنے والا شخص خود بخود پروفیسر بن جاتا ہے؟ کیا کسی مدرسے میں برسوں تدریس کرنے سے یہ لقب استعمال کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے؟ ان سوالات کا جواب جذبات کے بجائے علمی اصولوں، ادارہ جاتی ضوابط اور درست اصطلاحات کی روشنی میں تلاش کرنا چاہیے۔

پروفیسر کا اصل مفہوم کیا ہے؟

انگریزی لفظ Professor بنیادی طور پر اعلیٰ تعلیم کے اداروں میں ایک مخصوص علمی عہدے یا تعلیمی مرتبے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مختلف ممالک اور جامعات میں اس عہدے کے حصول کے ضوابط الگ ہو سکتے ہیں، لیکن عام طور پر اس کا تعلق اعلیٰ تعلیم میں تدریس، تحقیق، علمی اشاعتوں، تعلیمی رہنمائی اور کسی تسلیم شدہ ادارے کی جانب سے تقرری سے ہوتا ہے۔ کئی تعلیمی نظاموں میں اسسٹنٹ پروفیسر، ایسوسی ایٹ پروفیسر اور پروفیسر الگ الگ عہدے ہیں۔ اس لیے کسی شخص کا یونیورسٹی میں پڑھانا ضروری نہیں کہ اسے مکمل پروفیسر بھی بنادے۔ امپیریل کالج لندن کی سرکاری رہنمائی میں بھی پروفیسر کا لقب باقاعدہ پروفیسر کے عہدے یا متعلقہ پروفیسری مرتبے سے وابستہ کیا گیا ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ محض پسند کا لقب نہیں، بلکہ بعض اداروں میں ایک متعین تعلیمی حیثیت ہے۔

کیا ہر استاد پروفیسر کہلا سکتا ہے؟

اس سوال کا جواب ہے: ہر صورت میں نہیں۔ استاد، مدرس، لیکچرر، معلم، محقق اور پروفیسر ایک دوسرے سے متعلق ضرور ہیں، لیکن ان سب کے معنی یکساں نہیں ہیں۔ اسکول میں پڑھانے والا شخص استاد ہے۔ دینی مدرسے میں درسِ نظامی کی کتابیں پڑھانے والا شخص مدرس یا استاد کہلاتا ہے۔ یونیورسٹی میں تدریس کرنے والا شخص لیکچرر یا کسی دوسرے تدریسی عہدے پر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح تحقیق کرنے والا ہر شخص لازماً پروفیسر نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص کسی یونیورسٹی میں لیکچرر ہے تو اسے اپنے اصل عہدے سے متعارف کرانا زیادہ درست ہے۔ اگر وہ ایسوسی ایٹ پروفیسر ہے تو اس کے عہدے کی یہی وضاحت کی جانی چاہیے۔ کسی بھی عہدے کو زیادہ باوقار دکھانے کے لیے اس کا نام بدل دینا علمی دیانت کے تقاضوں کے مطابق نہیں۔ یہ ایک عام غلط فہمی ہے کہ پی ایچ ڈی مکمل کرنے کے بعد انسان خود بخود پروفیسر بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پی ایچ ڈی ایک اعلیٰ تحقیقی ڈگری ہے، جبکہ پروفیسر ایک تعلیمی عہدہ یا مرتبہ ہے۔ دونوں کی نوعیت مختلف ہے۔ کسی شخص نے پی ایچ ڈی کی ہو، اس نے تحقیقی مقالے لکھے ہوں، کتابیں تصنیف کی ہوں اور علمی میدان میں قابلِ قدر خدمات انجام دی ہوں، تو یہ اس کی بڑی علمی کامیابیاں ہیں۔ لیکن ان کامیابیوں سے خود بخود کسی یونیورسٹی کا پروفیسر بننے کا عہدہ حاصل نہیں ہو جاتا۔ اگر پی ایچ ڈی رکھنے والا شخص کسی یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہو چکا ہے تو وہ پروفیسر لکھ سکتا ہے۔ اگر وہ پروفیسر مقرر نہیں ہوا تو اس کے لیے ”ڈاکٹر“، ”محقق“ یا اپنی اصل پیشہ ورانہ حیثیت کا ذکر زیادہ مناسب ہوگا۔ کسی شخص کی علمی قابلیت کم نہیں ہو جاتی اگر وہ اپنے نام کے ساتھ پروفیسر کے بجائے ڈاکٹر لکھے۔

مسلمان معاشروں میں اس موضوع پر خاص توجہ کی ضرورت ہے، کیونکہ دینی مدارس کی علمی روایت بہت قدیم اور قابلِ احترام ہے۔ مدارس کے علماء قرآن، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، عربی زبان، تفسیر اور اسلامی تاریخ جیسے اہم علوم پڑھاتے ہیں۔ بہت سے علماء نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ تدریس، تحقیق، تصنیف اور تربیت میں صرف کیا ہوتا ہے۔ ان کی خدمات کا احترام ضروری ہے۔ تاہم ان کے علمی مقام کو بیان کرنے کے لیے درست اصطلاحات استعمال کرنا بھی ضروری ہے۔

اگر کوئی عالم کسی دینی مدرسے میں استاد، شیخ الحدیث، صدر مدرس، مہتمم یا کسی دوسرے منصب پر فائز ہے تو اس کے لیے یہی عہدہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اگر وہ کسی تسلیم شدہ یونیورسٹی یا اعلیٰ تعلیمی ادارے میں باقاعدہ پروفیسر مقرر ہوا ہے تو وہ پروفیسر بھی لکھ سکتا ہے۔ اگر کسی مدرسے یا ادارے کے اپنے ضوابط میں پروفیسر کا عہدہ موجود ہے اور متعلقہ شخص کو باقاعدہ اسی عہدے پر مقرر کیا گیا ہے، تو اس کے استعمال کا جائزہ اسی ادارے کے نظام اور متعلقہ تعلیمی ضوابط کی روشنی میں لیا جانا چاہیے۔ ہر ملک اور ہر ادارے کا نظام یکساں نہیں ہوتا؛ اس لیے یہ کہنا بھی درست نہیں کہ کسی دینی ادارے میں پروفیسر کا عہدہ سرے سے ہو سکتا ہی نہیں۔ اصل سوال یہ ہے کہ عہدہ واقعی موجود ہے، تقرری باقاعدہ ہوئی ہے، اور اس لقب کی حیثیت واضح ہے یا نہیں۔

کسی شخص کا بیس یا تیس سال تک تدریس کرنا یقیناً قابلِ قدر تجربہ ہے۔ اگر اس نے ہزاروں طلبہ کی تعلیم و تربیت کی ہو، علمی کتابیں پڑھائی ہوں اور معاشرے میں علم پھیلایا ہو تو وہ عزت و احترام کا مستحق ہے۔ لیکن تدریسی تجربہ اور پروفیسر کا رسمی عہدہ دو الگ چیزیں ہیں۔ بعض اداروں میں تجربہ، تحقیق، اشاعتوں، تدریسی کارکردگی اور دیگر شرائط کی بنیاد پر پروفیسر کے عہدے پر ترقی دی جاتی ہے۔ لیکن صرف طویل تجربے کی بنیاد پر ہر تعلیمی نظام میں یہ عہدہ خود بخود حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر کسی استاد نے طویل مدت تک تدریس کی ہے، مگر اسے پروفیسر مقرر نہیں کیا گیا، تو وہ اپنے تجربے کو نمایاں طور پر بیان کر سکتا ہے، مثلاً ”تیس سالہ تدریسی تجربہ رکھنے والے استاد“۔ یہ تعارف نہ صرف درست ہے بلکہ اس کی حقیقی خدمات کو بھی واضح کرتا ہے۔

اعزازی پروفیسر اور وزٹنگ پروفیسر میں فرق

ایک اہم پہلو اعزازی، وزٹنگ اور ایمیریٹس پروفیسر جیسے القاب کا ہے۔ بعض یونیورسٹیاں ممتاز علماء، محققین اور ماہرین کو ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں اعزازی پروفیسری عطا کرتی ہیں۔ بعض ماہرین کو محدود مدت کے لیے وزٹنگ پروفیسر مقرر کیا جاتا ہے، جبکہ بعض ریٹائرڈ اساتذہ کو ان کی خدمات کے اعتراف میں ایمیریٹس پروفیسر کا مرتبہ دیا جاتا ہے۔ لیکن ان تمام صورتوں کی شرائط ایک جیسی نہیں ہوتیں۔ اعزازی پروفیسری کے بارے میں جنوبی افریقہ کی کونسل آن ہائر ایجوکیشن کی رہنما دستاویز یہ اصول بیان کرتی ہے کہ اعزازی پروفیسری لازماً اس شخص کو مستقل یا عمومی طور پر پروفیسر کا لقب استعمال کرنے کا حق نہیں دیتی جس کے پاس پہلے سے یہ عہدہ نہ ہو۔ اس لیے متعلقہ ادارے کے خط، تقرری کی شرائط اور لقب کے استعمال سے متعلق ضابطے کو دیکھنا ضروری ہے۔ اگر کسی ادارے نے کسی شخص کو اعزازی پروفیسر بنایا ہے تو اس اعزاز کو چھپانا بھی درست نہیں، اور نہ ہی اسے ایسی مستقل تقرری کے طور پر پیش کرنا چاہیے جو حقیقت میں ہوئی ہی نہ ہو۔

آج فیس بک، یوٹیوب، ٹک ٹاک اور دیگر پلیٹ فارموں پر نام کے ساتھ مختلف القاب لکھنا عام ہو گیا ہے۔ بعض لوگ اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر، پروفیسر، انجینئر، مفتی یا دیگر علمی و پیشہ ورانہ شناختیں درج کرتے ہیں۔ اگر یہ القاب حقیقی اسناد یا باقاعدہ عہدوں پر مبنی ہوں تو ان کا استعمال مناسب ہے۔ لیکن اگر کسی شخص نے کسی یونیورسٹی میں پروفیسر کا عہدہ حاصل نہیں کیا، نہ کسی معتبر ادارے نے اسے یہ منصب دیا ہے، اور پھر بھی وہ اپنے نام کے ساتھ پروفیسر لکھتا ہے، تو اس سے عوام میں غلط تاثر پیدا ہو سکتا ہے۔ سوشل میڈیا پر کسی غلط تعارف کو بار بار دہرانے سے وہ درست نہیں ہو جاتا۔ بہتر یہی ہے کہ پروفائل، ویڈیو کے تعارف، دعوت نامے، پوسٹر، کتاب کے سرورق اور علمی مضمون میں وہی لقب استعمال کیا جائے جس کی حقیقت واضح اور قابلِ تصدیق ہو۔

کیا پروفیسر لکھنا دینی یا اخلاقی طور پر غلط ہے؟

یہاں ایک احتیاط ضروری ہے۔ ہر ایسے شخص کے بارے میں فوراً بددیانتی یا جھوٹ کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے جس کے نام کے ساتھ پروفیسر لکھا ہو۔ ممکن ہے وہ کسی ایسے ادارے میں مقرر ہو جہاں اس لقب کا استعمال جائز ہو، یا اسے باقاعدہ اعزازی یا وزٹنگ تقرری حاصل ہو۔ مختلف ممالک اور اداروں کے قواعد بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی شخص پر تنقید کرنے سے پہلے اس کے عہدے کی حقیقت معلوم کرنا ضروری ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر ایسا عہدہ اپنے نام کے ساتھ لکھتا ہے جو اسے ملا ہی نہیں، یا اپنے اعزازی منصب کو مستقل پروفیسری کے طور پر پیش کرتا ہے، تو یہ علمی امانت اور درست نمائندگی کے اصولوں کے خلاف ہے۔ اسلام میں سچائی، امانت اور حق بات بیان کرنے کی بڑی اہمیت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور جانتے بوجھتے حق کو نہ چھپاؤ۔“ (سورۃ البقرۃ، 2:42)۔ اس آیت کا عمومی اخلاقی سبق یہ ہے کہ حقائق کو واضح رکھا جائے اور لوگوں کے سامنے غلط تاثر پیدا نہ کیا جائے۔

ہمیں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ کسی انسان کی علمی قدر کا تعین صرف اس کے نام کے ساتھ لگے ہوئے لفظ سے نہیں ہوتا۔ ایک استاد جس نے ہزاروں بچوں کو تعلیم دی، ایک عالم جس نے دین کی خدمت کی، ایک محقق جس نے نادر علمی کام انجام دیا، اور ایک مصنف جس نے معاشرے کو مفید کتابیں دیں، ان سب کی خدمات اپنی جگہ اہم ہیں۔ ان میں سے کسی کو اپنی اصل شناخت بیان کرنے کے لیے غیر ضروری طور پر پروفیسر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ دوسری طرف، باقاعدہ پروفیسر ہونا بھی کسی شخص کی ہر رائے کو درست نہیں بنا دیتا۔ علمی اعتبار کے لیے تحقیق، دلیل، دیانت، علمی گفتگو، حوالہ جات اور تنقید کو برداشت کرنے کی صلاحیت بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ لقب تعارف میں مدد دیتا ہے، لیکن علم کا متبادل نہیں بن سکتا۔

عام لوگوں کو کیا کرنا چاہیے؟

کسی شخص کا تعارف کراتے وقت اس کی حقیقی تعلیمی ڈگری، موجودہ عہدہ اور ادارے کی وضاحت کرنی چاہیے۔ اگر کسی نے پی ایچ ڈی کی ہے تو ”ڈاکٹر فلاں“ لکھنا مناسب ہے، بشرطیکہ ڈگری درست ہو۔ اگر وہ باقاعدہ پروفیسر ہے تو ”پروفیسر فلاں“ لکھا جا سکتا ہے۔ اگر وہ لیکچرر، مدرس، محقق یا کسی ادارے کا سربراہ ہے تو اس کا اصل عہدہ بیان کرنا زیادہ واضح ہوگا۔ اگر وہ اعزازی یا وزٹنگ پروفیسر ہے تو جہاں ضروری ہو، اس حیثیت کی وضاحت کر دی جائے۔ اسی طرح کسی عالم کو ”شیخ الحدیث“، ”مفتی“ یا ”استاد“ کہنے کی بنیاد بھی اس کی حقیقی علمی حیثیت اور متعلقہ منصب ہونا چاہیے۔ القاب کے معاملے میں نہ غیر ضروری سختی ہونی چاہیے اور نہ بے احتیاطی۔

پروفیسر ایک باوقار علمی لقب ہے، لیکن اس کا استعمال حقیقی تقرری، متعلقہ ادارے کے قواعد اور عہدے کی واضح حیثیت کے مطابق ہونا چاہیے۔ پی ایچ ڈی، تدریسی تجربہ، علمی شہرت اور تصنیف و تحقیق قابلِ قدر کامیابیاں ہیں، مگر ہر صورت میں یہ چیزیں خود بخود پروفیسر کا عہدہ نہیں بن جاتیں۔ مسلمان اساتذہ اور علماء کو چاہیے کہ اپنی علمی خدمات پر اعتماد کریں، اپنی حقیقی اسناد اور عہدوں کو واضح انداز میں پیش کریں، اور دوسروں کے علمی مقام کا فیصلہ کرنے میں بھی انصاف سے کام لیں۔ اگر کسی لقب کے استعمال میں شبہ ہو تو متعلقہ ادارے کی تقرری، سرٹیفکیٹ یا سرکاری ضابطے کی تصدیق کر لینی چاہیے۔ علمی معاشرے کی بنیاد مبالغہ آرائی نہیں، بلکہ سچائی، امانت اور علمی معیار ہیں۔ ہمیں ایسا ماحول بنانا چاہیے جہاں استاد کو اس کے علم کی وجہ سے عزت ملے، عالم کو اس کی خدمت کی وجہ سے پہچانا جائے، اور ہر لقب اپنی حقیقی معنویت کے ساتھ استعمال ہو۔

ڈاکٹر سلیم انصاری جھاپانیپال

رضوی دارالافتاء کا قیام، حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالسلام قادری رضوی بلرام پور کے مفتیٔ شہر منتخب

(پریس ریلیز)
نیپال اردو ٹائمز
بلرامپور بھارت

علمائے کرام و مشائخ عظام کے اجلاس میں متفقہ فیصلہ، قاضیٔ ضلع بلرام پور حضرت علامہ مولانا مفتی حفیظ اللہ خاں نعیمی کا اعلان

مورخہ ۲۳ اکتوبر ۲۰۲۶ء: کو شہر بلرام پور میں اہلِ سنت کے شرعی مسائل میں رہنمائی کے لیے رضوی دارالافتاء کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں نمازِ جمعہ کے بعد قاضیٔ ضلع بلرام پور حضرت علامہ مولانا مفتی حفیظ اللہ خاں نعیمی کی سرپرستی اور خطیب الہند حضرت علامہ مفتی کمال اختر قادری کی صدارت میں علمائے کرام و مشائخ عظام کا اہم اجلاس منعقد ہوا۔

اجلاس میں حضرت استاذ العلماء علامہ مولانا مفتی عبدالسلام قادری رضوی کو بلرام پور کا مفتیٔ شہر منتخب کرنے کا اعلان کیا گیا۔ صدرِ اجلاس نے شرعی رہنمائی کے منظم نظام کی ضرورت پر روشنی ڈالی، جبکہ قاضیٔ ضلع نے رضوی دارالافتاء کے قیام اور مفتی عبدالسلام قادری رضوی کے انتخاب کا اعلان فرمایا۔

حضرت مفتی عبدالسلام قادری رضوی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فیض یافتہ اور تدریس، افتاء و فقہی تحقیق میں وسیع تجربہ رکھنے والے عالم ہیں۔ آپ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی میں تدریس و افتاء کے فرائض انجام دے چکے ہیں اور وہاں صدر مفتی کی ذمہ داری بھی نبھائی۔ ۱۹۹۵ء سے جامعہ عربیہ انوار العلوم، تلسی پور سے وابستہ ہیں، جہاں آپ کی علمی و تدریسی خدمات جاری ہیں۔

آپ کی نمایاں خدمات میں فتاویٰ رضویہ قدیم کی چھٹی اور ساتویں جلد کی تسوید، تبییض و تصحیح، مجلسِ شرعی مبارک پور کے فقہی سیمیناروں میں شرکت، علمی و فقہی مقالات کی ترتیب اور مختلف اداروں میں تدریس شامل ہیں۔ شہر بلرام پور میں نسواں تعلیمی ادارے کے قیام و تعمیر میں بھی آپ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ متعدد ممتاز علمائے کرام نے آپ کی علمی و فقہی صلاحیتوں پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔

رضوی دارالافتاء اہلِ سنت کے لیے شرعی مسائل میں معتبر رہنمائی کا مرکز ہوگا۔ عوام اپنے دینی و فقہی مسائل کے حل کے لیے حضرت مفتی عبدالسلام قادری رضوی سے رجوع کر سکیں گے۔ اس ادارے کا مقصد شرعی رہنمائی کو منظم بنانا، عوام کو سہولت فراہم کرنا اور علمی و فقہی نظام کو مستحکم کرنا ہے۔

اجلاس میں قاضیٔ ضلع بلرام پور حضرت علامہ مفتی حفیظ اللہ خاں نعیمی، صدرِ اجلاس حضرت مفتی کمال اختر قادری، مولانا بیت اللہ مشاہدی، مولانا عطا محمد مصباحی، مولانا ضمیر احمد لطیفی، مفتی عبدالرقیب، مولانا محب الرسول، قاری شفاعت اللہ خاں، مولانا عبدالوہاب خاں اشرفی، مولانا محمد صادق حسین، مولانا توفیق رضا رضوی، قاری غلام سرور، قاری صلاح الدین، مولانا دین محمد مشاہدی، قاری سراج احمد، قاری دلشاد احمد، مولانا عبدالمعید، قاری عامر، الحاج غلام نبی نوری، مولانا عبدالقیوم مصباحی، مولانا طیب الدین اشرفی، مولانا نسیم ثقافی، مفتی ذیشان یوسف ازہری، قاری عبدالباری، مفتی انوار برکاتی، مولانا عبد المُعید صاحب، مولانا اشفاق صاحب سمیت متعدد علمائے کرام و معززین نے شرکت کی۔

اختتام پر حضرت علامہ مفتی حفیظ اللہ خاں نعیمی نے حضرت مفتی عبدالسلام قادری رضوی کی صحت، درازیٔ عمر اور علمی خدمات کی قبولیت کے لیے دعا فرمائی۔

جاری کردہ
حضرت علامہ مولانا مفتی حفیظ اللہ خاں نعیمی
قاضیٔ ضلع بلرام پور

Published By: Ulama Foundation Nepal,Bhairahwa, RupandehiLumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

سیرتِ طیبہ میں خدمتِ خلق کا پیغام

محمد ارمان قادری، مصباحی۔ فاؤنڈر: الامان ایجو کیشنل سوسائٹی، مراد آباد

اسلام ہر اعتبار سے پوری دنیا کے انسانوں کے حقوق کو گھیرے ہوئے کیونکہ وہ ایک کامل، جامع اور انسان دوست مذہب ہے، جس کی بنیاد اللہ کی بندگی اور مخلوق کی خدمت پر رکھی گئی ہے۔ یہ دین انسان کو صرف عبادات کا پابند نہیں بناتا بلکہ اسے محبت، ہمدردی، عدل، مساوات اور خدمتِ خلق جیسے اوصاف سے مزین ہونے کی بھی دعوت دیتا ہے۔ اور رحمتِ عالم، نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مذہب اسلام کے سب سے بڑے داعی ہیں اور آپ کی زندگی تمام احکام اسلام کی عکاسی کرتی ہیں۔ آپ کی سیرتِ طیبہ انسانیت کے ہر طبقے کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ چاہے یتیم ہو یا مسکین، غلام ہو یا آزاد، عورت ہو یا مرد، مسلم ہو یا غیر مسلم، دوست ہو یا دشمن آپ نے ہر ایک کے ساتھ ایسا حسنِ سلوک فرمایا کہ رہتی دنیا تک آپ کا کردار تمام انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ آپ کی زندگی سے ہمیں اپنے ماتحتوں ملازموں اور دوسرے بندگانِ خدا کے ساتھ برتاؤ کرنے کے بارے میں رہنما اصول ملتے ہیں:

لوگوں کو نفع پہنچانے اور ان کو تکلیف سے دور رکھنے کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:
"خَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ" (الجامع الصغیر، حدیث:4162)
"سب سے بہتر انسان وہ ہے جو دوسروں کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش ہو"
آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔ (صحیح البخاری)
مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔
یعنی مسلمان اپنے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمانوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتا بلکہ وہ اپنے کردار سے حضور ﷺ کے کردار کی عکاسی کرنے کی کوشش کرتا ہے آیئے اب دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا عظیم کردار کیسا تھا:
حضور ﷺ کا دل یتیموں، مسکینوں بے سہارا لوگوں اور زندہ درگور ہوتی بچیوں کے لیے محبت اور شفقت سے لبریز تھا۔ آپ نے ان کی کفالت کو جنت کی ضمانت قرار دیا اور ان کو معاشرے میں عزت و مقام عطا فرمایا۔ جبکہ زمانۂ جاہلیت کا وہ ایسا دور تھا کہ اس وقت انسانیت کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی اور غلاموں ماتحتوں ملازموں کے ساتھ بد سے بدتر سلوک کیا جاتا، بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا، جو بچ جاتیں ان کو حقوق سے محروم کر دیا جاتا تھا۔

یتیموں اور مسکینوں سے حسنِ سلوک:
ارشادِ نبوی ﷺ ہے:
أنا وكافل اليتيم في الجنة هكذا، وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالوُسْطَى۔۔ (بخاری:5304) "میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے (جیسے یہ دو انگلیاں)"

غلاموں اور کمزوروں سے مساوات:
نبی کریم ﷺ نے غلاموں کو انسانیت کا درجہ دیا، ان سے حسن سلوک کیا اور مساوات کا عملی مظاہرہ فرمایا۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کھانے کعبہ کی چھت پر اذان دینے کا شرف عطا فرمایا، حالانکہ وہ سابقہ غلام تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:
"میں نے دس سال تک رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، آپ ﷺ نے کبھی مجھے "اف" تک نہ کہا، نہ کبھی یہ فرمایا: "یہ کیوں کیا؟" اور نہ یہ فرمایا: "یہ کیوں نہ کیا؟" (بخاری:5304)
اس کی ایک اور واضح دلیل یہ ہے کہ نبی رحمت ﷺ نے صحابہ کرام کو اپنے ماتحتوں سے معاملات کے آداب سکھائے اور حسن سلوک کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: "تمہارے خادم تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے انہیں تمہارے ماتحت بنایا ہے۔ لہٰذا جس کے ماتحت کوئی بھائی ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے، اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے، اور ان سے ان کے طاقت سے بڑھ کر کام نہ لے۔ اگر ان سے ایسا کام لے جو ان کی طاقت سے بڑھ کر ہو تو پھر خود بھی ان کی مدد کرے" (بخاری:2545)

بیماروں کی تیمارداری:

نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا ایک مبارک گوشہ یہ ہے کہ آپ نہ صرف اپنوں کی، بلکہ غیروں کی بھی عیادت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا:
"ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہو گیا، تو نبی کریم ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا: "اسلام لے آؤ (مسلمان ہو جاؤ)" وہ نوجوان اپنے والد کی طرف دیکھنے لگا اب تک حضور کے کریمانہ انداز سے وہ یہودی بھی متاثر ہو چکا تھا اس لیے اس نے کہا کہ ابو القاسم کی اتباع کرو چنانچہ اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا" (بخاری:1356)

دشمنوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک:
آقائے کریم ﷺ نے دشمنوں کے ساتھ بھی اخلاق، رحمت اور ہمدردی کا مظاہرہ فرمایا۔ واقعہ طائف کا وہ دل سوز منظر یاد کیجیئے، جب کہ طائف کے لوگوں نے آپ ﷺ کو لہو لہان کر دیا تھا، تو فرشتہ کوہ (پہاڑوں پر مسلط فرشتہ) کی پیشکش کے باوجود آپ نے فرمایا میں ان کی ہلاکت نہیں بلکہ ان کی ہدایت چاہتا ہوں۔
اور مسلم شریف کی حدیث پاک میں ہے:
"عن أبي هريرة قال: قيل: يا رسول الله ادع على المشركين، قال: إني لم أبعث لعّانا وإنما بعثت رحمة" (مسلم 2599)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کہا گیا: "یا رسول اللہ ﷺ! مشرکوں پر بددعا کیجیے" آپ ﷺ نے فرمایا: "میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، بلکہ مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے" فتحِ مکہ کے موقع پر عام معافی کے اعلان کو رہتے دنیا تک فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ جب محسنِ انسانیت ﷺ فاتح کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو فرمایا:
"اذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" (ابن ہشام، جلد 2)
"جاؤ! تم سب آزاد ہو"

عورتوں کے حقوق کا تحفّظ:
نبی آخر الزماں ﷺ نے عورت کو وہ عزت و مقام عطا فرمایا، کہ بیٹی کو رحمت اور بیوی کے ساتھ حسن سلوک کو بہترین اخلاق قرار دیا۔
ارشادِ نبوی ﷺ ہے: "خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي" (ترمذی:3895)
"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو، اور میں تم سب سے بہتر ہوں اپنے اہل کے ساتھ"
لوگ آج کہتے ہیں کہ عورتوں کو حقوق دیئے جائیں، ان کو مقام و مرتبہ دیا جائے لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ پیغمبر اسلام محمد ﷺ نے عورتوں کو وہ مقام عطا فرمایا کہ ان کو جنت میں جانے کا سبب ہی بنا دیا۔
رحمت عالم ﷺ کا فرمان ہے:
"جس شخص کی تین بیٹیاں، یا تین بہنیں، یا دو بیٹیاں، یا دو بہنیں ہوں، اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور ان کے بارے میں اللہ سے ڈرتا رہے (یعنی ان کا حق ادا کرے)، تو اس کے لیے جنت ہے"
(سنن الترمذی:1913)
حضور ﷺ مخلوق رب العالمین کے ساتھ جو خدمت کا جذبہ رکھتے تھے اس کا اندازہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جو اپ نے حضور ﷺ سے پہلی وحی کے وقت اپ کو دلاسہ دیتے ہوئے کہے تھے۔
جب پہلی وحی کے بعد نبی ﷺ غارِ حرا سے حالت اضطراب میں گھر واپس آئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تسلی دیتے ہوئے کہا "اللہ کی قسم! اللہ آپ کو ہر گز رسوا نہیں کرے، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور حق کے کاموں میں مدد کرتے ہیں۔" (بخاری:3)
یہ الفاظ آپ کی سیرت طیبہ اور خدمتِ خلق پر روشن دلیل ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ ہمیں سکھاتی ہے کہ انسانیت، خدمتِ خلق، عدل و انصاف، محبت و ہمدردی، رحم و کرم، مساوات اور معاشرتی فلاح دینِ اسلام کی روح ہے۔ آپ کی زندگی سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ خدمتِ خلق صرف ایک اخلاقی فریضہ ہی نہیں بلکہ نبوی سنت ہے جسے اپنا کر ہم ایک بہتر فرد، بہتر معاشرہ، اور بہتر اُمت بن سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حضور ﷺ کی سیرت پر چلنے، دوسروں کی خدمت کرنے، اور دنیا میں خیر و بھلائی پھیلانے والا بنائے۔

فیض آباد کا ایک درخشاں چراغ:۔ سلطان القراء حضرت علامہ قاری رئیس احمد خان

از قلم۔ اخلاق احمد نظامی
مقام و پوسٹ گلرہا مہنداول
ضلع سنت کبیر نگر

دنیا میں انسان تو بہت پیدا ہوتے ہیں لیکن کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں جو اپنے اخلاق، اپنے کردار، اپنے علم اور اپنی خدمت سے زمانے کے دل میں گھر کر لیتے ہیں۔ وہ صرف اپنا نام نہیں بلکہ اپنے علاقے، اپنے خاندان اور اپنے اساتذہ کا نام بھی روشن کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو معمار قوم کہا جاتا ہے، رہبر ملت کہا جاتا ہے۔ آج ہم جس عظیم شخصیت کا تعارف پیش کرنے جا رہے ہیں وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں، لیکن یہ ہمارے لیے سعادت کی بات ہے کہ ہم ان کے اوصاف قلم بند کریں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ علماء کی تعریف کرنا، ان کا ذکر کرنا بھی عبادت ہے۔
ضلع ایودھیا جسے قدیم فیض آباد کہا جاتا ہے، یہ سرزمین علم و ادب کا گہوارہ رہی ہے۔ یہاں کی مٹی نے بڑے بڑے علماء، فقہاء، حفاظ اور شعراء کو جنم دیا ہے۔ اسی فیض آباد کی زرخیز دھرتی کا ایک روشن نام، ایک تابناک ستارہ، ایک علمی و روحانی گاؤں چرہ محمد پور ہے۔ یہ گاؤں آج بھی علماء و حفاظ کا مرکز مانا جاتا ہے۔ اسی گاؤں نے کئی جلیل القدر علماء پیدا کیے۔ اسی گاؤں کے ایک درخشاں چراغ، ایک باوقار شخصیت کا نام ہے حضرت علامہ قاری رئیس احمد خان صاحب قبلہ۔ حضرت قاری رئیس احمد خان صاحب کا تعلق ضلع ایودھیا (فیض آباد) کے مشہور و معروف علمی و ادبی گاؤں چرہ محمد پور سے ہے۔ آپ اسی مبارک سرزمین کے باشندہ ہیں جہاں کی ہواؤں میں قرآن کی تلاوت، اذان کی صدا اور علم دین کی خوشبو رچی بسی ہے۔ آپ کا گھرانہ دینی ماحول کا گھرانہ ہے۔ ابتداء سے ہی آپ کو دینی ماحول میسر آیا۔
اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچپن ہی سے قرآن پاک سے بے پناہ محبت عطا فرمائی۔ آپ نے کم عمری میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا۔ آپ صرف حافظ قرآن ہی نہیں بلکہ حافظ قرآن کے ساتھ ساتھ مجود قرآن ہیں۔ تجوید و قرأت آپ کا خاص فن ہے۔ اللہ نے آپ کو لحن داؤدی عطا فرمایا ہے۔ جب آپ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں تو سامعین پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ آپ کہنہ مشق قاری ہیں۔ برسوں کی ریاضت اور مشق نے آپ کو اس مقام پر پہنچا دیا ہے کہ علاقے بھر میں جب قرأت اور تجوید کی بات آتی ہے تو آپ کا نام فخر سے لیا جاتا ہے۔ آپ کی تلاوت میں ترتیل بھی ہے، تجوید کے قواعد کی پاسداری بھی اور حسن صوت بھی۔ آپ نے اس فن کو صرف اپنے تک محدود نہیں رکھا بلکہ سینکڑوں طلباء کو قرآن پاک کی صحیح تجوید سکھائی۔ آپ کی سب سے بڑی پہچان آپ کی تدریسی زندگی ہے۔ آپ دار العلوم اہلسنت نور الحق چرہ محمد پور جیسے عظیم ادارے کے سابق استاذ ہیں۔ دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد (ایودھیا) کا وہ ادارہ ہے جس نے ملک بھر کو علماء و حفاظ دیے ہیں۔ اس ادارے میں بطور استاذ خدمات انجام دینا کسی اعزاز سے کم نہیں۔ آپ نے وہاں کئی سال تک بطور استاذ قرآن، ناظرہ، حفظ اور دینیات کی خدمات انجام دیں۔ آپ کے شاگرد آج ملک کے مختلف حصوں میں دین کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ کوئی امامت کر رہا ہے، کوئی تدریس کر رہا ہے، کوئی حفظ کرا رہا ہے۔ یہ آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔ آپ نے ادارے کے ہر طالب علم کو اپنا بیٹا سمجھا اور ہر طالب علم نے آپ کو اپنا شفیق باپ سمجھا۔ آپ کی ایک اور خاص پہچان جو آپ کو دوسرے علماء سے ممتاز کرتی ہے وہ صحافت ہے۔ آپ کہنہ مشق صحافی ہیں۔ آج کے دور میں جہاں سوشل میڈیا اور پرنٹ میڈیا کا دور ہے، وہاں ایک سچے، بے باک اور حق گو صحافی کی ضرورت ہے۔ آپ نے ہمیشہ قلم کے ذریعے قوم و ملت کی خدمت کی۔ علماء کی خدمات کو اجاگر کرنا، دینی جلسوں کی کوریج کرنا، مدارس کے مسائل کو اٹھانا، قوم کے نوجوانوں کو بیدار کرنا، یہ آپ کی صحافتی زندگی کا اہم حصہ رہا ہے۔ آپ کی تحریر میں سچائی ہوتی ہے، بے باکی ہوتی ہے اور اصلاح کا پہلو ہوتا ہے۔ آپ نے کبھی ذاتی مفاد کے لیے قلم نہیں بیچا۔ اسی لیے آج بھی صحافتی حلقوں میں آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔
آپ کی سب سے بڑی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ آپ علماء، حفاظ، ائمہ، طلباء اور سماجی و دینی کام کرنے والے ہر شخص کی حوصلہ افزائی میں پیش پیش رہتے ہیں۔ آج کے دور میں جہاں لوگ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچتے ہیں، وہاں آپ جیسے لوگ حوصلہ دیتے ہیں۔ کوئی بچہ حفظ مکمل کرے تو آپ سب سے پہلے مبارکباد دیتے ہیں، کوئی عالم فاضل بنے تو آپ اس کی دستار بندی میں شریک ہوتے ہیں، کوئی ادارہ نیا قائم ہو تو آپ اس کے لیے دعا گو ہوتے ہیں اور اس کی تشہیر کرتے ہیں۔ کوئی دینی کارکن اچھا کام کرے تو آپ اسے سراہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دلعزیز ہیں۔ ہر طبقہ آپ سے محبت کرتا ہے۔ آپ نے کبھی حسد اور بغض کو اپنے قریب بھی نہیں آنے دیا۔
اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا زمانہ عطا کیا کہ آپ نے اپنے دور کے تمام بڑے علماء و حفاظ کی صحبت اٹھائی ہے۔ آپ جلیل القدر علماء و حفاظ کے ہم عصر ہیں۔ بڑے بڑے مشائخ کے ساتھ آپ کے قریبی تعلقات رہے ہیں۔ آپ نے کئی اکابر علماء کی زیارت کی ہے، ان کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہے۔ اس ہم نشینی کا اثر آپ کی شخصیت میں نظر آتا ہے۔ آپ کی گفتگو میں علماء کی جھلک نظر آتی ہے۔ آپ محفل میں بیٹھتے ہیں تو آپ کی باتوں سے علم ٹپکتا ہے۔
اگر آپ کی شخصیت کو دو لفظوں میں بیان کیا جائے تو وہ ہے حسن اخلاق۔ آپ کے تمام اوصاف و کمالات کے باوجود آپ کی جو سب سے نمایاں پہچان ہے وہ آپ کا اخلاق ہے۔ آپ بہترین اخلاق حسنہ کے مالک ہیں۔ چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کی عزت، یہ آپ کا امتیازی وصف ہے۔ یہی آپ کا طرہ امتیاز ہے۔ آپ جب کسی چھوٹے سے ملتے ہیں تو اس طرح ملتے ہیں کہ وہ چھوٹا خود کو بڑا محسوس کرنے لگتا ہے۔ آپ اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں، اس کے لیے دعا کرتے ہیں۔ جب کسی بڑے سے ملتے ہیں تو ادب و احترام کا پیکر بن جاتے ہیں۔ سر جھکا کر ملتے ہیں، دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرتے ہیں۔ آپ نے کبھی کسی کو اپنے سے حقیر نہیں سمجھا۔ آپ کے چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ رہتی ہے۔
آپ نماز و روزہ کے پابند ہیں۔ یہ صرف کہنے کی بات نہیں بلکہ جو آپ کو قریب سے جانتا ہے وہ گواہی دے گا کہ آپ پانچ وقتہ نمازی ہیں، روزوں کے پابند ہیں۔ آپ کی زندگی میں دین سب سے مقدم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ بہت ہی سخی انسان ہیں۔ اللہ نے آپ کو جو دیا ہے آپ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ مہمان نوازی آپ کی گھٹی میں ہے۔ آپ کے دروازے سے کوئی خالی ہاتھ نہیں جاتا۔ طلباء کی مدد کرنا، غریبوں کی خبر گیری کرنا، یہ آپ کا معمول ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ حضرت قاری رئیس احمد خان صاحب جیسی شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ بیک وقت حافظ قرآن، مجود قرآن، بہترین قاری، کہنہ مشق صحافی، شفیق استاذ، با اخلاق انسان اور سخی دل انسان ہیں۔ ضلع ایودھیا اور بالخصوص چرہ محمد پور کو آپ پر فخر ہے۔ آپ ہماری قوم کا سرمایہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی کے ساتھ درازئ عمر بالخیر عطا فرمائے اور آپ کا سایہ ہم پر قائم و دائم رکھے۔ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور آنے والی نسلوں کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

موت ایک حقیقت ہے

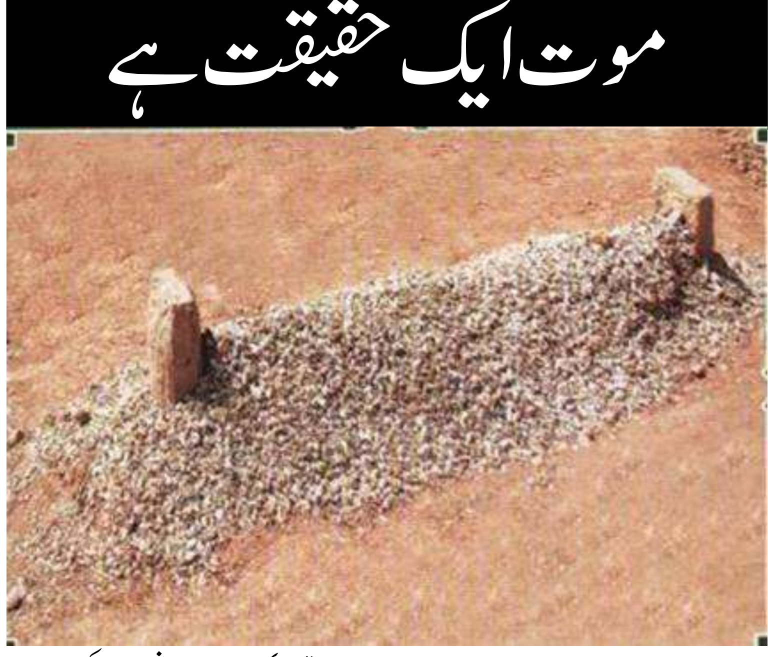

قاریہ ساجدہ فاطمہ حبیبی بنت محمد ایوب نداف
الحبیبہ نیشنل اکیڈمی

موت کائنات کی ان چند سچائیوں میں سے ایک ہے جس سے کسی انسان کو انکار نہیں ہر ذی روح نے ایک نہ ایک دن فنا ہونا ہے دنیا کی تاریخ تہذیب اور فکر کا کوئی بھی دور ایسا نہیں گزرا جہاں موت پر بحث نہ کی گئ ہو یہ صرف ایک حیاتی عمل کا نام موت نہیں بلکہ ایسا مذہبی اور سماجی واقعہ ہے جو انسانی زندگی کے پورے ڈھانچے کو متاثر کرتا ہے۔
اس مضمون کا بنیادی مقصد موت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینا ہے اور۔ واضح کرنا ہے کہ موت شعور انسان کی اخلاقی اور سماجی زندگی کو کس طرح بہترین یا تبدیل کرتا ہے۔۔

موت کا خوف
۔ موت کا خوف انسان کو مایوسی کی طرف بھی لے جا سکتی ہے لیکن اگر موت کو ایک برحق حقیقت کے طور پر تسلیم کر لیا جائے تو یہ انسانی زندگی کو بامقصد اخلاقی اور ذمہ دار بنانے کا بہترین ذریعہ بنتی ہے۔۔

مذہبی نظر۔
دنیا کے تمام بڑے مذاہب میں موت کو زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ ایک نئے سفر کا آغاز مانا گیا ہے۔

موت کے متعلق اسلام کا نظریہ
۔ اسلام میں موت کو دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہو جانے کو کہتے ہیں، قرآن کریم و احادیث مبارکہ میں موت کی یاد بار بار دیلائی گئ ہے۔ موت کے بعد برزخ اور پھر قیامت کے دن اعمال کا حساب کتاب ہونا اسلام کی بنیادی عقائد میں شامل ہے اور اس بات کو حق ماننا ضروری ہے۔
۔ دیگر مذاہب، عیسائیت اور یہودیت میں بھی آخرت جزا اور سزا کا تصور موجود ہے جبکہ ہندو اور بدھا میں روح کے بار بار جنم لینے کا نظریہ پایا جاتا ہے جہاں انسان اپنے کرموں کے حساب سے آگہی زندگی پاتا ہے

موت قرآن کے زبانی
قرآن مجید کی روشنی میں موت کا تصور، قرآن مجید میں موت کو ایک اٹل اور حقیقت امتحان کا ذریعہ اور دار آخرت کا دروازہ قرار دیا گیا ہے ۔۔۔۔ موت ایک آفاقی قانون ہے کوئی اس سے بچ نہیں سکتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے (كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ) ترجمہ ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ (سورہ آل عمران، 185)۔
مضبوط قلعہ بھی موت سے نہیں بچا سکتی*
موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے۔ معینہ وقت سی پہلے نہ ایک سیکنڈ نہ ایک سیکنڈ بعد موت آسکتی ہے چاہے انسان مضبوط قلعوں میں کیوں نہ چھپ جائے
دوسرے مقام پر ارشاد الٰہی ہے (أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ) ترجمہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں پالے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہی کیوں نہ رہ رہے ہیں) (سورہ النساء آیت 78)
۔ احادیث مبارکہ میں بھی موت کی یاد کثرت سے دیلائی گئ ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تیاری کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے

موت کو یاد کرنا
حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لذتوں کو مٹانے والی چیز یعنی موت کو یاد کرو) (جامع ترمزی 2307: سنن نسائی:1824)
ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک انصاری نے پوچھا کہ مومن میں سب سے زیادہ عقلمند کون ہے آپ نے فرمایا کہ جوان میں سب سے زیادہ موت کو یاد کرنے والے ہے اور جو موت کے بعد آنے والے احوال کا سب سے اچھی تیاری کرتے ہیں یہی لوگ اصل میں عقلمند ہے (سنن ابن ماجہ 4259)۔
ان تمام احادیث سے اور ان تمام آیات مبارکہ سے معلوم ہوا کہ موت برحق ہے اور دنیا فانی ہے کوئی بھی موت کا انکار نہیں کر سکتا مومنوں کے لے دنیا قید ہے اور اصل آزادی موت ہی ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم اس کی تیاری کریں کیونکہ موت کا معاملہ بہت سخت ہے جو شخص قبر کے امتحان میں کامیاب ہو جائے گا تو وہ اصل کامیابی حاصل کر لیگا اور جو اسی میں ناکام ہو جائے گا گویا اس نے اپنا سب کچھ برباد کر لیا
۔ اللہ پاک ہم سب کو دنیا میں صحیح راستے پر چلائے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے اور ہمیں آخرت کی تیاری کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور قبر و حشر کے میدان میں کامیابی عطا کریں، آمین یارب العالمین

اسلام ہی انسانیت کا ضامن

شفیع اختر قادری البرکات علی گڑھ

آج پوری عالمی طاقت اسلام کی حرمت استحصال کرنے کی کوشش کررہی ہے مزید یہ کہ انسانیت کے نام پر اپنے باطل نظریات کو ذاتی مفادات کے لیے فروغ دینے کی بے جا جدوجہد میں لگی ہوئی ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسان کی زندگی میں ہر ہر لمحہ رہنمائی کرتا ہے اسلام صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم نہیں دیتا بلکہ ایک نیک، اچھا اور سچا انسان کیسے بنا جاسکتا ہے ایک اچھے معاشرے، ریاست اور حکومت کی تشکیل کیسے دی جاسکتی ہے اس کے تمام معتدل راستے فراہم کر دیے اسلام نے انسانیت کا جو نظام دیا ہے وہ سارے نظاموں میں ممتاز ہے کیونکہ یہ کوئی انسانی نظام نہیں ہے جس میں غلطی کی گنجائش ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ نظام ہے اس کے باوجود یہ الزام لگانا کہ اسلام دہشت گردی، ظلم و تشدد، دھوکہ دہی کا دین ہے یہ کھلی ناانصافی ہے۔

ایک انسان کی بامعنیٰ انسانیت کے جو تقاضے ہیں اسلام نے انہیں بہترین انداز میں بیان کیا ہے۔

اسلام میں انسانیت کی عزت

اسلام نے صدیوں سے چلی آرہی لڑائی رنگ و نسل، ذات پات، امیری غریبی، اونچ نیچ جیسے ناانصافیوں کا خاتمہ کرکے بحیثیتِ انسان سب کو مساوی عزت بخشی۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے "اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت دی"(بنی اسرائیل 17: آیت 70) اسی طرح اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا "اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ بھی ایک ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت نہیں ہے، کسی کالے کو کسی گورے پر کسی گورے کو کسی کالے پر فضیلت نہیں ہے، ہاں البتہ! تقویٰ کی بنیاد پر (ان کو ایک دوسرے پر فضیلت ہوسکتی ہے)۔"(مسند احمد: حدیث 23489) اس سے یہ مکمل طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے بحیثیتِ انسان کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دی۔

اسلام میں عدل وانصاف اور مساوات

اسلام کسی کے ساتھ رنگ، نسل، زبان، قوم یا خاندان کی بنیاد پر ناانصافی کرنے کی اجازت نہیں دیتا خواہ معاملہ اپنے حق میں ہو یا کسی اور کے حق میں یہاں تک کہ معاملہ کسی غیر مسلم کے حق میں ہو۔ اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں ارشاد فرماتا ہے "بے شک اللہ انصاف اور عدل کا حکم دیتا ہے"(النحل 16: آیت 90) اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک موقع پر لوگوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے گی تو یقیناً محمد ﷺ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالے گا۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق انسان کی فضیلت کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری ہے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے "بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔(سورہ حجرات 49: آیت 13)

اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک

اسلام انسانیت کی خدمت کو صرف مسلمانوں تک محدود نہیں کرتا۔ جو غیر مسلم مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہیں کرتے اور ان کے خلاف ظلم و زیادتی میں شریک نہیں ہوتے، اسلام اس کے ساتھ حسنِ سلوک اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے اسلامی تاریخ میں ایسے سینکڑوں واقعات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "اللہ تمہیں ان لوگوں سے احسان کرنے اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین میں لڑائی نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔"(سورۃ الممتحنہ: 8) یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اسلام پرامن غیر مسلموں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا حکم دیتا ہے۔ مذہبی اختلاف کسی انسان کے ساتھ ظلم یا ناانصافی کا جواز نہیں بن سکتا لہذا عصر حاضر میں غیر مسلموں کو ذاتی اور سیاسی مفادات کے لیے اسلام سے بے جا نفرت دلانے اور ڈرانے کی کوشش کی جاتی ہے جو کہ جھوٹ پر مبنی ہے۔

عصرِ حاضر میں انسانیت اور اسلام کی ضرورت

آج دنیا نفرت، جنگ، تعصب، ظلم، معاشی ناہمواری اور انسانی حقوق کی پامالی جیسے مسائل سے دوچار ہے حال ہی میں ایک مثال اِپسٹین فائل کی ہے یہ وہی لوگ ہیں جو انسانیت کے نام پر اپنی ذاتی مفادات کے لیے انسانوں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کرتے ہیں اور حقوقِ نسواں کے نام پر عورتوں کو فری مارکیٹ میں بطورِ تجارت استعمال کرتے ہیں، پسِ پردہ انسانیت کو شرمسار کرنے والے افعال انجام دیتے ہیں ایسے حالات میں اسلام کی تعلیمات انسانیت کے لیے اہم رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ اگر انسان سچائی، عدل، رحم، امانت داری اور باہمی احترام کو اپنی زندگی کا حصہ بنالے تو معاشرے میں امن اور بھائی چارے کو فروغ مل سکتا ہے۔ اسلام کی ہی وہ تعلیمات ہیں جو انسان کو ایک بہتر اور مہذب انسان بنانے میں مدد کرتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ

رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی انسانیت کے لیے رحمت، محبت اور ہمدردی کا بہترین نمونہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یتیموں، مسکینوں، غلاموں، بچوں، عورتوں اور معاشرے کے کمزور افراد کے حقوق کی حفاظت کی تعلیم دی۔ سرکار ﷺ نے لوگوں کے ساتھ نرمی، سچائی، امانت داری اور حسنِ اخلاق سے پیش آنے کی ترغیب دی۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے بارے میں فرماتا ہے "اور ہم نے تمہیں تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر ہی بھیجا۔"(سورۃ الأنبیاء: 107) رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ حقیقی دینداری صرف عبادات تک محدود نہیں، بلکہ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ اور ان کے حقوق کی ادائیگی بھی دین کا اہم حصہ ہے۔

امن و محبت کا پیغام

اسلام فساد، ظلم، خیانت، دھوکا دہی اور ناحق قتل کی مذمت کرتا ہے۔ اسلام معاشرے میں امن، بھائی چارے، باہمی احترام اور تعاون کو فروغ دیتا ہے۔ ایک حقیقی مسلمان وہ ہے جس کے قول و فعل سے دوسروں کو امن حاصل ہو اور جس کا کردار معاشرے کے لیے فائدہ مند ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"(صحیح البخاری: 10؛ صحیح مسلم: 40) یہ حدیث زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچنے کی اہمیت واضح کرتی ہے۔ ایک اچھا انسان وہ ہے جو اپنی گفتگو، معاملات اور کردار سے دوسروں کے لیے آسانی پیدا کرے۔ انسانیت اسلام سے جدا نہیں ہے بلکہ اسلام کے اندر ہی انسانیت ہے اسلام انسان کو اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ مخلوق کے حقوق کا خیال رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ انسانیت کی خدمت، عدل و انصاف، رحم و کرم، امن و محبت اور حسنِ اخلاق اسلامی تعلیمات کے اہم پہلو ہیں۔ لہذا اسلام کے تمام احکامات انسانیت کے فائدے کے لیے ہیں مزید یہ کہ اسلام کا ہی وہ ماڈل ہے جس پر عمل پیرا ہو کر تمام انسان اپنی دنیوی اور اخروی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں دوسرے تمام ماڈلز سراب ہیں۔

پردہ (حیا کی تہذیب اور ایمان کی سربلندی)

محمد عمران ندوی

انسانی تہذیب کی تاریخ میں لباس کبھی محض جسم ڈھانپنے کا ذریعہ نہیں رہا، بلکہ اس کے افکار، اقدار، اخلاق اور تصورِ زندگی کا ترجمان بھی رہا ہے۔ قومیں اپنے ظاہری مظاہر میں اپنے باطن کی جھلک پیش کرتی ہیں، اور ان کے اجتماعی رجحانات اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک زندگی کی اصل قدر کیا ہے۔ جب اسلام نے انسان کو عزتِ نفس، پاکیزگیِ کردار اور بندگیِ رب کا شعور عطا کیا تو اس کی زندگی کے کسی گوشے کو بھی اخلاقی ذمہ داری سے خالی نہیں چھوڑا۔ اسی جامع نظامِ حیات کا ایک اہم باب حیا اور پردہ ہے۔

پردہ محض چند ظاہری پابندیوں کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک ایسے تصورِ زندگی کا حصہ ہے جس میں انسان اپنی خواہشات کو اخلاق کے تابع، اپنی آزادی کو ذمہ داری سے وابستہ اور اپنے اعمال کو رضائے الٰہی کے معیار پر پرکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اس شعور کا اظہار ہے کہ انسان کی زندگی محض دنیا کی نگاہوں کے لیے نہیں، بلکہ اپنے خالق کے حضور جواب دہی کے احساس سے بھی وابستہ ہے۔ اس کی کامیابی کا معیار صرف یہ نہیں کہ دنیا اس کے بارے میں کیا رائے قائم کرتی ہے، بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کا طرزِ زندگی اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے کس قدر ہم آہنگ ہے۔

قرآنی حکم:

قرآنِ مجید نے حیا اور عفت کو محض معاشرتی آداب کے طور پر پیش نہیں کیا، بلکہ انہیں ایمان اور کردار کی تعمیر سے وابستہ کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ

ترجمہ: "اور مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی عصمت کی حفاظت کریں، اپنی زینت ظاہر نہ کریں، سوائے اس کے جو خود ظاہر ہو جائے، اور اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھیں۔"

(سورۃ النور: 31)

اس آیتِ کریمہ میں نگاہ کی حفاظت، عفت کی پاس داری اور لباس کی پاکیزگی کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ گویا اسلام انسان کی اصلاح کو محض ظاہر تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ ظاہر اور باطن کے درمیان ایک گہرا اخلاقی رشتہ قائم کرتا ہے۔ لباس اس کے دینی شعور کا مظہر ہے، نگاہ اس کی اخلاقی تربیت کی علامت اور کردار اس کے ایمان کی عملی شہادت۔

اسی سلسلے میں ارشادِ ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَابِيبِهِنَّ

ترجمہ: "اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکالیا کریں۔"

(سورۃ الأحزاب: 59)

یہ آیتِ کریمہ پردے کے حکم کو محض کسی معاشرتی روایت یا تہذیبی علامت کے درجے میں نہیں رکھتی، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے وابستہ کرتی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ پردے کی بنیاد لوگوں کی پسند، معاشرتی دباؤ یا وقتی رجحانات پر نہیں، بلکہ بندگی اور اطاعت کے شعور پر قائم ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں بھی پردے کے لیے لباس اور چادر کے اہتمام کو اہمیت دی گئی ہے۔ حضرت اُمّ عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو عید کے اجتماع میں شرکت کی ترغیب دی۔ ایک خاتون نے عرض کیا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا»

ترجمہ: "اس کی ساتھی اپنی چادر میں سے اسے چادر پہنادے۔"(صحیح البخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ چادر اور پردے کے اہتمام کو معمولی معاملہ نہیں سمجھا گیا، بلکہ اس ضرورت کی تکمیل کے لیے بھی رہنمائی فرمائی گئی کہ جس خاتون کے پاس چادر نہ ہو، اسے بھی اس کا انتظام کرکے اجتماع میں شریک ہونے کا موقع دیا جائے۔ اس میں پردے کی اہمیت کے ساتھ عورت کی دینی و اجتماعی زندگی میں شرکت کا پہلو بھی نمایاں ہے۔

پردے اور لباس کی اہمیت کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ نے ایسے لباس سے بھی خبردار فرمایا جو بظاہر لباس ہونے کے باوجود ستر پوشی کا مقصد پورا نہ کرے۔ صحیح مسلم میں آپ ﷺ کے الفاظ ہیں:

«نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ»

ترجمہ: "ایسی عورتیں جو لباس پہنے ہوئے ہونے کے باوجود برہنہ ہوں گی۔"

(صحیح مسلم) یہ تنبیہ اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ لباس کی اصل غرض محض جسم پر کپڑا موجود ہونا نہیں، بلکہ ستر پوشی اور حیا کے تقاضوں کا لحاظ رکھنا بھی ہے۔ چنانچہ لباس کا انتخاب کرتے ہوئے اس کی ظاہری شکل کے ساتھ اس مقصد کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے جس کے لیے شریعت نے لباس اور پردے کی تعلیم دی ہے۔

ان قرآنی ہدایات اور نبوی تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ پردہ مسلمان عورت کی دینی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کی تفہیم قرآن و سنت کی روشنی میں، علم و بصیرت اور اخلاص کے ساتھ ہونی چاہیے، نہ اس کے حکم کو غیر اہم سمجھا جائے اور نہ اس کی آڑ میں دین کے دوسرے اخلاقی تقاضوں کو نظرانداز کیا جائے۔

حیا اور ایمان کا رشتہ:

رسول اللہ ﷺ نے ایمان اور حیا کے باہمی تعلق کو نہایت جامع الفاظ میں بیان فرمایا:

الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ

ترجمہ: "حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔"

(صحیح البخاری، صحیح مسلم)

حیا انسان کے باطن میں بیدار ہونے والا وہ احساس ہے جو اسے اپنے خالق کی نگرانی، اپنے اعمال کی جواب دہی اور اپنے کردار کی ذمہ داری سے آگاہ کرتا ہے۔ جب یہ احساس زندہ ہو تو انسان محض لوگوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بھی اپنی زندگی کو پاکیزہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

حیا کا دائرہ لباس سے وسیع تر ہے۔ یہ نگاہ میں بھی مطلوب ہے، گفتگو میں بھی، معاملات میں بھی، تعلقات میں بھی اور زندگی کے ان تمام گوشوں میں بھی جہاں انسان کے ضمیر اور ایمان کا امتحان ہوتا ہے۔ اسی لیے پردے کو صرف ظاہری وضع قطع تک محدود کر دینا اس کے وسیع اخلاقی مفہوم کو نظرانداز کرنا ہے۔

پردے کی ظاہری پابندی کے ساتھ کردار کی پاکیزگی، زبان کی شائستگی اور معاملات کی دیانت بھی ضروری ہے۔ ظاہری نیکی انسان کو باطنی اصلاح سے بے نیاز نہیں کرتی، بلکہ اسے اپنے اندر مزید بہتری پیدا کرنے کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ دین کا مقصود انسان کی شخصیت کے ایک پہلو کو سنوار کر دوسرے پہلوؤں سے غافل چھوڑ دینا نہیں، بلکہ اس کی پوری زندگی کو ایمان، اخلاص اور حسنِ اخلاق سے آراستہ کرنا ہے۔

بدلتے ہوئے پیمانے:

عصرِ حاضر میں انسان کی قدر و منزلت کا تعین بڑی حد تک اس کی ظاہری نمائش، سماجی مقبولیت اور دوسروں کی نگاہ میں اس کی حیثیت سے ہونے لگا ہے۔ اشتہارات، ذرائع ابلاغ اور معاشرتی رجحانات نے خوب صورتی، کامیابی اور آزادی کے بعض ایسے تصورات کو فروغ دیا ہے جن میں انسان کی داخلی صلاحیتوں اور اخلاقی خوبیوں کے مقابلے میں اس کی ظاہری کشش کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

اس ماحول میں اصل مسئلہ صرف لباس کی تبدیلی نہیں، بلکہ وہ ذہنیت ہے جو انسان کی قدر کو دوسروں کی پسند اور قبولیت سے وابستہ کر دیتی ہے۔ جب شخصیت کا معیار اپنے اصولوں کے بجائے دوسروں کی نگاہ بن جائے تو آزادی کا دعویٰ بھی ایک نئی قسم کے دباؤ میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ انسان بظاہر اپنی پسند سے فیصلے کرتا ہے، لیکن کبھی کبھی اس کی پسند بھی معاشرتی توقعات اور مقبول رجحانات کی تشکیل کردہ ہوتی ہے۔ اسلام انسان کو اس ذہنی غلامی سے نکال کر ایک بلند تر معیار عطا کرتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کی حقیقی قدر کا تعلق ایمان، تقویٰ، کردار اور اعمال سے ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر معاشرتی تبدیلی قابلِ مذمت ہے، بلکہ یہ کہ ہر تبدیلی کو محض نیا یا مقبول ہونے کی بنا پر حق کا معیار نہیں بنایا جاسکتا۔ دینی بصیرت کا تقاضا ہے کہ زمانے کے رجحانات کو سمجھا جائے، مگر اپنے اصولوں کا فیصلہ محض زمانے کی پسند پر نہ چھوڑ دیا جائے۔

عورت کا مقام اور دینی وقار:

اسلام نے عورت کی عزت کو کسی ایک ظاہری وصف میں محصور نہیں کیا، بلکہ انسانی فضیلت کو ایمان، تقویٰ اور نیک اعمال سے وابستہ کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ

ترجمہ: "بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔"

(سورۃ الحجرات: 13)

یہ قرآنی اصول انسانی عظمت کا حقیقی معیار متعین کرتا ہے۔ کسی عورت کی پوری شخصیت کو صرف اس کے لباس تک محدود کر دینا اس کی علمی، فکری اور اخلاقی حیثیت کو نظرانداز کرنا ہے۔ اسی طرح پردے کے دینی حکم کو غیر اہم قرار دینا بھی اس کی اسلامی حیثیت سے صرفِ نظر کرنے کے مترادف ہے۔ اعتدال یہ ہے کہ عورت کی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو ان کے مناسب مقام پر سمجھا جائے۔

اسلامی تاریخ میں خواتین نے علم، تعلیم، روایتِ حدیث، تربیتِ نسل اور خدمتِ معاشرہ کے میدانوں میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور صحابیات رضی اللہ عنہن کی زندگیاں اس حقیقت کی گواہ ہیں کہ دینی وقار اور علمی فعالیت ایک دوسرے کے مخالف نہیں۔ حیا علم کی راہ میں رکاوٹ نہیں، اور علم و ترقی کے لیے دینی ذمہ داریوں سے بے نیازی بھی ضروری نہیں۔

اس لیے پردے کی بحث کو عورت کے حقوق، تعلیم، جائز معاشرتی سرگرمیوں اور انسانی وقار کے مقابل کھڑا کرنا درست نہیں۔ جس طرح دینی احکام کی پابندی ضروری ہے، اسی طرح عدل، احترام اور حسنِ معاشرت بھی اسلامی تعلیمات کا حصہ ہیں۔ کسی خاتون کے ظاہری عمل کی بنیاد پر اس کے پورے کردار یا ایمان کے بارے میں فیصلہ صادر کرنا ہمارے محدود علم سے تجاوز ہے۔ اصلاح کی کوشش میں خیر خواہی اور حکمت کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔

حیا کا امتحان اور استقامت:

دینی اقدار پر عمل کی راہ ہمیشہ یکساں آسان نہیں ہوتی۔ کبھی معاشرتی دباؤ، کبھی طنز و تنقید اور کبھی بدلتے ہوئے رجحانات انسان کے لیے اپنے اصولوں پر قائم رہنے کو مشکل بنا دیتے ہیں۔ ایسے حالات میں استقامت کے لیے محض جذبات کافی نہیں ہوتے۔ علم، اخلاص، صبر اور اپنے مقصد کی صحیح معرفت بھی ضروری ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ

ترجمہ: "بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

(سورۃ البقرۃ: 153)

جو خاتون اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے پردے کو اختیار کرتی ہے، اس کے لیے یہ عمل محض ظاہری امتیاز نہیں، بلکہ بندگی اور اطاعت کے شعور کا حصہ ہے۔ اس راستے پر ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے عمل کو علم و اخلاص سے مضبوط کرے، مشکلات میں صبر سے کام لے اور لوگوں کی تنقید یا تعریف کو اپنی زندگی کا آخری معیار نہ بنائے۔ لیکن استقامت کا حقیقی حسن اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب اس کے ساتھ انکسار بھی ہو۔ دینی عمل انسان میں برتری کا احساس پیدا کرنے کے بجائے اسے اپنے عیوب کی پہچان اور مزید اصلاح کی طرف متوجہ کرے۔ نیکی پر شکر، کوتاہی پر استغفار اور دوسروں کے لیے خیر خواہی، ایک مومن کے کردار کو متوازن بناتے ہیں۔

اسی طرح دینی احکام سے متعلق سوالات اور اختلافات کا جواب تحقیر یا سخت کلامی سے نہیں، بلکہ دلیل، حکمت اور حسنِ اخلاق سے دیا جانا چاہیے۔ دین کی دعوت کا مقصد دلوں کو حق سے قریب کرنا ہے، نہ کہ انسانوں کو ان کی کمزوریوں کے سبب مایوسی یا دوری میں مبتلا کر دینا۔

مشترکہ اخلاقی ذمہ داری:

حیا اور عفت کے باب میں قرآنِ مجید کا خطاب مردوں اور عورتوں دونوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خواتین کے احکام بیان کرنے سے پہلے مومن مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے اور اپنی عصمت کی حفاظت کا حکم دیا:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ

ترجمہ: "مومن مردوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔"

(سورۃ النور: 30)

اس حکم میں اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ ہے کہ پاکیزہ معاشرے کی تشکیل کسی ایک جنس کی ذمہ داری نہیں۔ مرد کی نگاہ، اس کی گفتگو، اس کے تعلقات اور اس کا کردار بھی اسی اخلاقی معیار کے تابع ہیں جس کا تقاضا عورت سے کیا جاتا ہے۔ خواتین کے لباس پر گفتگو کرتے ہوئے مردوں کی ذمہ داریوں کو نظرانداز کر دینا قرآن کے متوازن خطاب کو یک طرفہ بنا دینا ہے۔

کسی خاتون کے لباس پر نامناسب تبصرہ کرنا، اسے تضحیک کا نشانہ بنانا یا اس کی عزت و سلامتی کو نظرانداز کرنا حیا کی تعلیم سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اختلاف اور نصیحت کے باوجود انسانی احترام برقرار رہنا چاہیے۔ مرد کی اخلاقی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو قابو میں رکھے اور دوسروں کے حقوق و وقار کی حفاظت کرے۔

خاندانوں، تعلیمی اداروں اور معاشرتی رہنماؤں کے لیے بھی ضروری ہے کہ نئی نسل کی تربیت میں صرف ظاہری پابندیوں پر اکتفا نہ کریں، بلکہ ان کے پیچھے موجود دینی حکمت، اخلاقی ذمہ داری اور روحانی مقصد کو سمجھائیں۔ محبت، اعتماد، علم اور عملی نمونہ وہ بنیادیں ہیں جن پر پائیدار تربیت استوار ہوتی ہے۔

حرفِ آخر:

پردہ ایک دینی حکم بھی ہے اور حیا پر قائم اخلاقی تصورِ زندگی کا اہم مظہر بھی۔ اس کی معنویت اس وقت زیادہ واضح ہوتی ہے جب اسے ایمان، ضبطِ نفس، کردار کی پاکیزگی اور رضائے الٰہی کے وسیع تر تناظر میں سمجھا جائے۔ اسے محض معاشرتی رسم بنا دینا اس کی روح کو محدود کرنا ہے، اور اسے انسانی شخصیت کے تمام دوسرے پہلوؤں کا متبادل سمجھ لینا بھی درست نہیں۔

انسان سے لغزش ہوسکتی ہے، اس کے عمل میں کمی آسکتی ہے اور اس کی زندگی میں کمزوریاں پیدا ہوسکتی ہیں؛ لیکن اصلاح، توبہ اور رجوع کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ اس لیے دینی اقدار کی حفاظت کا راستہ مایوسی، تحقیر اور خود پسندی سے نہیں، بلکہ علم، اخلاص، صبر اور مسلسل محاسبۂ نفس سے گزرتا ہے۔

ایک زندہ تہذیب وہ نہیں جو صرف اپنے ماضی پر فخر کرے، بلکہ وہ ہے جو اپنے اصولوں کو سمجھتی، اپنے حال کا محاسبہ کرتی اور اپنی نسلوں تک اپنی اقدار کو شعور و بصیرت کے ساتھ منتقل کرتی ہے۔ حیا اسی تہذیبی شعور کی ایک روشن علامت ہے، اور پردہ اس دینی نظام کا ایک اہم حصہ جس کا مقصد انسان کو اپنے رب کی اطاعت، اپنے کردار کی پاکیزگی اور دوسروں کے حقوق کے احترام کے ساتھ زندگی گزارنے کی رہنمائی فراہم کرنا ہے۔

اے اللہ! ہمارے دلوں کو ایمان، ہماری نگاہوں کو حیا اور ہمارے کردار کو پاکیزگی عطا فرما۔ ہماری ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو دین کی صحیح سمجھ، پردے کی حکمت، عفت و وقار اور نیکی پر استقامت نصیب فرما۔ ہمارے گھروں اور معاشرے کو علم، عدل، اخلاص اور حسنِ اخلاق سے آراستہ فرما، اور ہماری نسلوں کو ایمان و عمل کا روشن چراغ بنادے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔

آمین یارب العالمین۔!

سنی سنائی باتوں کا وبال

بات ہے استاد اور شاگردوں کی۔ استاد صاحب کلاس میں تشریف لاتے ہی ایک پرچی پر ایک فرضی خبر لکھتے ہیں کہ شہر بنارس میں دو بڑی گاڑیوں کا بری طرح سے ایکسیڈنٹ ہوا جس کی وجہ سے بیس کی موت ہوئی اور چار گھائل ہوئے۔ پھر اپنے قریب بیٹھے ایک شاگرد کو بلا کر اسے وہ چھٹی پڑھ کر سنایا اور دوسرے تک پہنچانے کا حکم دیا۔ پھر کیس تھا شاگرد نے اس خبر کو دوسروں تک پہنچانا شروع کیا اور یکے بعد دگرے ہر طالب علم نے اپنے بعد والے کو یہ خبر پہنچائی، جب یہ بات آخری طالب علم تک پہنچی تو استاد صاحب نے اس اخری طالب علم سے پوچھا، تم نے کون سی خبر سنی؟ طالب علم کہنے لگا کہ "شہر بنارس میں ایک بھیانک ایکسیڈنٹ ہوا جس میں پچیس لوگوں کی موت ہوگئی اور دس لوگ بہت بری طرح گھائل ہوگئے نیز اس کے علاوہ کئی لوگوں کی گاڑیاں تہس نہس ہوگئیں"۔

محترم قارئین یہ واقعہ اگرچہ فرضی ہے لیکن اس میں پوشیدہ سبق حقیقت کو عیاں کرتی ہے۔ اپ نے دیکھا کس طرح طلبا نے بغیر تحقیق کیے اور بغیر ثبوت مانگے اس خبر کو قبول بھی کیا اور دوسروں تک پہنچایا بھی، جب کہ نتیجہ حقیقت کے بالکل برعکس تھا۔ ہماری نجی زندگی میں بھی بسا اوقات ایسے حادثات ہو جاتے ہیں بلکہ آج تو یہ کام دھڑلے سے کیا جارہا ہے، آج تو حقیقت اور افسانے کے بیچ فرق کرنا دشوار ہو گیا۔ کبھی سوشل میڈیا کے ذریعے غیر تحقیقی بکواس عام کیا جاتا، تو کبھی اخبار کے ذریعے غیر ذمہ داران کی جانب سے معاشرے میں بدامنی کی خاطر شائع کیا جاتا، تو کبھی چلتے پھرتے سنی سنائی باتوں کو بغیر تحقیق کیے پھیلا دیا جاتا، اور کبھی موبائل فون سے بات کرتے ہوئے اپنے رشتہ داروں کے غیر محقق بات کو فروغ دیا جاتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم اتنے غیر ذمہ دار اور لاپرواہ بن چکے ہیں کہ کوئی بھی ہمیں کچھ بھی پڑھا کر چلا جاتا ہے اور بجائے ثبوت طلب کرنے کے ہم اس پر یقین کر بیٹھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج فراڈی لوگوں نے ہمارے معاشرے پر اپنا قبضہ جما رکھا ہے، دھڑلے سے سینہ چوڑا کیے ہوئے کھلے عام وہ دھوکہ دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کئی رشتوں کو توڑنا، کئی دوستیاں ختم کرنا، کئی پریوار کو الگ کرنا، میاں بیوی کے پاکیزہ رشتون کے بیچ درار پیدا کرنا، حتی کہ کسی کی جان لینا بھی، اور معاشرے میں بدامنی پھیلانا ان کا شعار بن چکا ہے۔

اسلام کو تو یہ بھی گوارا نہیں کہ دو غلام بھائیوں کو الگ کر دیا جائے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر میں عرض کروں تو اسلام تو ہرنی کی بچی کو بھی اپنی ماں جدا نہیں ہونے دیتا، پھر وہ اسلام ایسا درس کیوں کر دے گا جس سے لوگوں کی جان چلی جائے، میاں بیوی کے بیچ تفریق ہو جائے، دو پریوار صرف ایک سنی سنائی بات کی وجہ سے الگ ہو جائے؟

محترم قارئین! آئیے پیغمبر امن و امان کے اسلامی تعلیمات کو ہم اپنا مشعل راہ بنائیں اور اس طرح کی برائیوں کو جڑ سے مل کر ختم کریں۔

محمد حسنین رضا نعمانی البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹیٹیوٹ، علی گڑھ

فرقہ وارانہ تقسیم سے آگے! نفرتوں کا خاتمہ اور ہم آہنگی کا فروغ

محمد عبدالحفیظ اسلامی
خطیب مسجد صالحہ قاسمؒ و سینئر کالم نگار، حیدر آباد

آج ہمارا ملک عزیز ہندوستان ایک ایسے نازک دور سے گزر رہا ہے، جس میں کئی مسائل ہیں، جن میں سب سے بڑا مسئلہ تکریم انسانیت کے قدروں کی پامالی ہے۔ دنیا میں پائے جانے والے ہر ملک کی طرح ہم بھی اپنے پاس ایک دستور رکھتے ہیں، جس میں بہت ساری باتوں کے ساتھ ساتھ تمام باشندگان ملک کو حقوق مدنیت میں برابر کا درجہ رکھا گیا ہے۔ آج ہمارے وطن کے اکثر باشندے اضطرابی و بے چینی کی کیفیت سے گزر رہے ہیں، ہر طرف نفرت کا شور ہے، ذرائع ابلاغ پر تنفر چھا گیا ہے، واٹس ایپ ہو یا دیگر سوشیل میڈیا، اخبارات و دیگر رسائل ان کے صفحات (الا ماشاءاللہ) نفرت سے خالی نظر نہیں آتے۔ کوئی پروگرام کوئی مباحث ہو نفرتی لائن کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔ یہ چیز کسی بھی ملک کی ترقی میں بڑی رکاوٹ بنتی ہے۔ ایک طرف نفرت کا بازار گرم دوسری جانب قانون کے نفاذ میں خامیاں یا جھول نے معاشرے میں عام طور پر قوانین کی پاسداری اور اس کے خوف کا تصور دھندلا کر ڈالا، قانون شکن لوگ آزاد ہیں، انکی شناخت کا عمل سست پڑ گیا یا غیر جانب دار نہ رہا۔ جب قانون کے نفاذ میں کمزوری و جھول پیدا ہو جائے تو نتیجتاً معاشرے میں مختلف مسائل و مشکلات جنم لیتے ہیں۔ ساری دنیا میں ہمارے ملک کی ایک خاص پہچان ہے کہ یہاں پر ہمہ مذہبی تہذیب و رنگ روپ کے لوگ اپنی اپنی شناخت کے ساتھ برسوں سے رہتے بستے آئے ہیں۔ اب یہ بھید بھاو، امن وامان کی ابتری کیوں؟ آپسی اعتماد کا فقدان کیا معنی رکھتا ہے؟ غیر مہذب تہذیب جیسا ماحول کیوں نظر آتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی ملک میں قانون کے نفاذ کی غرض وغایت معاشرے میں امن وامان کو قائم رکھنا اور باشندگان ملک کی جان ومال عزت آبرو اور انکے ہر جائز حق کی حفاظت و نگہداشت ہوتی ہے۔ کوئی بھی سچا مذہبی اقدار پر مبنی ملک ہو یا جمہوری مزاج کا حامل ہو انکے تجربات مختلف ہو سکتے ہیں لیکن انسانی اقدار مشترک ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان کے دساتیر میں ''انسانی بنیادی حقوق کے قوانین'' میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہوتا، یہاں تک کہ لامذہب دنیا بھی اسکا پاس خیال رکھتی ہے۔

پھر ان حقائق کی روشنی میں ازخود یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ انسانوں کے دل آخر ایک دوسرے کے بارے میں کیوں ٹوٹ رہے شکوک وشبہات کیوں پیدا ہو رہے ہیں؟ ان کے درمیان نفرت کیوں پنپ رہی ہے؟ مذہبی ولسانی طور پر تعصب وحقارت کا بازار گرم کیوں ہے؟ ہماری نسل نو کو صحیح سمت کیوں نظر نہیں آ رہی ہے؟۔ یہ وہ سوالات ہیں ان کا حل نکالنا ملک کے ہر ''صاحبِ حل وعقد'' Every person in authority کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے انسان کو اپنا مقام و مرتبہ جاننا ضروری ہے۔ مالک کائنات اپنی ساری مخلوقات میں صرف بنی آدم کو شرف بخشا ہے اور انہیں اپنی ہدایات و تعلیم سے آراستہ کرتا ہے تو وہ بغیر کسی رنگ ونسل اسطرح ندا دیتا ہے کہ ''یَا أَيُّهَا النَّاسُ''۔ یہ ندا کسی قبیلے، کسی مذہب، کسی نسل کے لیے خاص نہیں، یہ اس ہجوم کے لیے ہے جسے ہم نوانسانی کہتے ہیں۔ اس عام ندا میں انسان کے خود ساختہ ''برتر'' و ''کمتر'' کے تصور کو مٹایا اور صاف طور پر بتلا دیا کہ نسل انسانی کے آپسی رشتوں کو کن بنیادوں پر مضبوط کیا جائے، تاکہ انہیں بغض، نفرتوں، عداوتوں اور غلط فہمیوں سے بچایا جائے پہلی اور جامع ہدایت: یَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا

اس میں تمام انسانوں کو خطاب کیا گیا کہ: ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانوں:

یعنی اولاد آدم کو بتلا دیا کہ تمہیں دنیا میں قبیلوں وبرادریوں میں جو تقسیم کیا ہے

اونچ نیچ کے لئے نہیں ہے بلکہ تعارف وپہچان کے لیے ہے ناکہ تفاخر یا اونچی ذات نیچی ذات کے نا معقول مفروضے قائم کریں اور آوازے لگانے لگیں۔ البتہ انسان اپنے کردار اچھے اخلاق واعمال کے ذریعہ اونچے مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ فرمایا:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ: خدا کے دربار میں سب سے زیادہ عزت والا اور بلند مقام رکھنے والا وہ ہے جو سب سے زیادہ گناہوں سے بچتے ہوئے زندگی گزارے۔ (الحجرات 13) جب ہم سب آدم وحوا کے بیٹے ہیں، تو ہر طرح برتری کا بت اسی پہلے جملے میں ٹوٹ جاتا ہے۔ دوسرے ٹکڑے ''وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ'' میں حکمت بیان ہوئی کہ تقسیم فطری ہے، زبان الگ ہوگی، رنگ الگ ہوگا، کھانا الگ ہوگا، لیکن یہ تقسیم لڑنے جھگڑنے کے لیے نہیں ہے، فرقہ وارانہ نفرت کے لیے بھی نہیں ہے۔ بلکہ ایک دوسرے کا تعارف ہی نفرتوں سے نکلنے کا پہلا علاج ہے۔ اسی تعارف کے فلسفے کو دوسری آیت مزید گہرا کرتی ہے یَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ: [النساء: 1]۔ لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔ یہ حیاتیاتی وحدت ہے، آدم سے شروع ہو کر یہ خون کا رشتہ چلا آ رہا ہے۔ اس وحدت آدم کے ذکر کے بعد دوسرا اصول تکریم آدم کا ہے، مالک کائنات نے فرمایا کہ ''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ: (الاسراء 70) ہم نے بنی آدم کو عزت دی۔ جب بنی آدم مکرم، ہے تو کسی بھی انسان کی توہین وتذلیل، اس خدائے تعالی بزرگ وبرتر کی عطا کردہ تکریم پر حملہ ہے جس نے انسان کو ہر طرح سے سہولتیں بخشی اور عزت وبلندی عطا کی۔

اس کی شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے (ہموطن) اولاد آدم کی عزت کریں، یہ صرف زبانی کلامی نہ ہو بلکہ، عملی طور پر، کی جائے جس سے باشندگان وطن کے درمیان ہم آہنگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کے لیے، اہم اور کار گر اصول ''عدل'' پر رکھا گیا ہے۔ نفرت وعداوت کی اصل جڑ یہ ہے کہ جب اپنوں کے لیے ایک اصول اور دوسروں کے لیے ایک الگ ضابطہ اور ترازو رکھا جائے تو بغض وعداوت اور دلوں میں کدورت کا جنم لینا فطری بات ہے۔۔۔ ہمارا مالک جس کے ہم سب بندے ہیں اس دوہرے معیار اور دورنگی کو جڑ سے کاٹ دیا اور تاکید فرماتا ہے کہ: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (المائدۃ: 8) کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس حد تک نہ لے جائے کہ تم انصاف چھوڑ دو۔۔۔ یہ ہدایت آج بھی دنیا کے صاحب اقتدار لوگوں کو سبق دے رہی ہے، کہ عوام الناس کے ساتھ عدل انصاف کا رویہ اپنائے! اسی طرح ہمارے ملک بھارت کے منظر نامہ میں دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ یہاں کے ہر شہری (بالخصوص) مسلمانوں کے سارے اقلیتوں کے لیے حقوق وانصاف کی راہیں کشادہ کرنے کی شدید ضرورت پائی جا رہی ہے، ملک کے تمام قانون ساز وانصاف دلانے والے ادارہ، وانتظامیہ اور تمام قسم کے زرائع ابلاغ میں مناسب اصلاح کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، تاکہ ان اداروں پر عوامی اعتماد میں مزید اضافہ ہو۔ جس کے نتیجہ میں ملک اور بھی خوب ترقی کرے گا اور دنیا میں اس کا نام روشن ہوگا۔

2026.10.25 کو سید عظیم الدین ہادی الجیلانی کی آمد پر آپ کے اعزاز میں ''بزمِ گلشنِ ادب''، بھٹی جرولی سلطانپور (یو۔پی) کے زیرِ اہتمام شعری نشست کا انعقاد کیا گیا۔ جس کی صدارت شاکر سلطانپوری اور نظامت جنید اشرفی نے فرمائی منتخب اشعار نذرِ قارئین ہیں۔

چومنے لگے ملائکہ سرخ جنتی گلاب کو
زخم حضرتِ بلال کا کتنا پر وقار ہو گیا
نظام شاکری سلطانپوری

مجھ کو دینا تھا اسے کچھ تجربے کی موتیاں
چند ہی لمحوں میں وہ نادان رخصت ہو گیا
شاکر سلطانپوری

وفا کے نئے اک سفر کی طلب میں
رہِ عشق کی کہکشاں چھوڑ آئے
توحید احمد ہنر صاحب

رہ گئے تکتے تکتے ہی ہم آشیاں
بادِ سر سر سے تنکے بکھرتے رہے
وصی اللہ اسیر صاحب

جب سے اس شخص کا گھر جلایا گیا
سہم جاتا ہے وہ روشنی دیکھ کر
نورالدین نور سلطانپوری

حافظِ قرآنِ باری اور ہے
عاملِ فرمانِ باری اور ہے
سید ہادی الجیلانی صاحب

یا علی شیر خدا آپ کے شیروں کے سوا
کون ہے نیزے پہ قرآن سنانے والا
جنید اشرف سلطانپوری

کس نے بتادیا مہ واختر سے پوچھئے
حسنِ نبی کو داورِ محشر سے پوچھئے
عظمت سلطانپوری

اس کے بعد سید ہادی نے امن وامان اور اردو کی ترقی کی دعا فرمائی اور نشست کے اختتام کا اعلان کیا گیا۔

غزل

بَسی ہوئی ہے عجب طرح کی اُمَس مجھ میں
کہاں ہے میرے سُکوں! آذرا برَس مجھ میں

ہُوا ہوُں ایسا اَسیرِ ستَم کہ اے لوگو!
بہت اُداس ہے اَب موسمِ قَفس مجھ میں

لرَز رہی ہے مرے قُرب سے اُمیدِ بہار
خزاں رسیدہ ہے ایسے نَفَس نَفَس مجھ میں

ہے جِن سے پیار غموں کے تمام گوشوں کو
وہ ساری خصلتیں تُم کو ملیں گی بَس مجھ میں

اے ناقدین پَرَکھنا مجھے سلیقے سے
دِکھائی دیں گے ہنَرِ تُم کو آٹھ دَس مجھ میں

بَتا سکے جو رقیبوں کو میری کمزوری
تلاشنے میں لگے ہیں کئی! وہ نَس مجھ میں

نصیب! شیش محل میری آرزوؤں کا
دِکھائی دیتا ہے مجھکو تہَس نہَس مجھ میں

نصیب اللہ بستوی ممبئی

نیتن یاہو کے جانے سے صرف چہرہ بدلے گا، نقشہ نہیں!

ڈاکٹر اسد اللہ خان

سیاست میں سب سے بڑا دھوکا اکثر کسی جھوٹ سے نہیں، کسی چہرے سے ہوتا ہے۔ 27 اکتوبر کو اسرائیل میں ووٹ ڈالے گئے، اور دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ نے اس انتخاب کو ایک سوال میں سمیٹ دیا: کیا بنیامین نیتن یاہو جائیں گے؟ ابتدائی نتائج میں کسی بلاک کو واضح اکثریت نہیں ملی، مگر ان کے سب سے بڑے حریف، یاشار پارٹی کے سربراہ اور سابق فوجی سربراہ گادی آئزنکوٹ نے انتخابی رات ہی فتح کا دعویٰ کر دیا۔ عالمی میڈیا انہیں "اینٹی بی بی" کہتا ہے، یعنی نیتن یاہو مخالف۔ یہ لقب جتنا سہل ہے، اتنا ہی گمراہ کن بھی۔ اصل سوال یہ نہیں کہ اسرائیل کا اگلا وزیرِ اعظم کون ہوگا؛ اصل سوال یہ ہے کہ اگلے وزیرِ اعظم کے ہاتھ میں نقشہ کون سا ہوگا۔

آئزنکوٹ 2015 سے جنوری 2019 تک اسرائیلی فوج کے سربراہ رہے۔ اکتوبر 2023 کے بعد وہ جنگی کابینہ کا حصہ بنے، اور دسمبر 2023 میں ان کا پچیس سالہ بیٹا غزہ کی جنگ میں مارا گیا۔ ایک سابق جرنیل، ایک سوگوار باپ، ایک دھیما لہجہ: اسرائیلی رائے دہندگان کے لیے یہ ایک مکمل تصویر ہے، اور نیتن یاہو کے شور شرابے سے تھکے ہوئے مغربی مبصرین کے لیے ایک خوشگوار تبدیلی۔ مگر لہجہ پالیسی نہیں ہوتا، اور آواز کی دھیمی پچ بموں کی تباہی کم نہیں کرتی۔

اکتوبر 2008 میں، جب آئزنکوٹ اسرائیل کی شمالی کمان کے سربراہ تھے، انہوں نے اسرائیلی اخبار یدیعوت احرونوت کو ایک انٹرویو دیا جو بعد میں ایک پورے فوجی نظریے کی بنیاد بن گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ 2006 کی جنگ میں بیروت کے جنوبی علاقے ضاحیہ کے ساتھ جو ہوا، وہی ہر اس گاؤں کے ساتھ ہوگا جہاں سے اسرائیل پر گولی چلے گی؛ اسرائیل وہاں غیر متناسب طاقت استعمال کرے گا اور بھاری تباہی پھیلائے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان کی نظر میں یہ شہری گاؤں نہیں، فوجی اڈے ہیں، اور یہ کوئی تجویز نہیں بلکہ ایک ایسا منصوبہ ہے جس کی منظوری دی جا چکی ہے۔ یہی خیال "ضاحیہ ڈاکٹرین" کہلایا۔ اگلے برس اقوامِ متحدہ کے فیکٹ فائنڈنگ مشن نے، جس کی سربراہی جنوبی افریقہ کے جج رچرڈ گولڈ اسٹون کر رہے تھے، 2008-09 کی غزہ جنگ پر اپنی رپورٹ میں اس تصور کو مزاحمت کے خوف کے لیے وسیع پیمانے پر تباہی کی حکمتِ عملی قرار دیا، اور یہ نتیجہ نکالا کہ اسے عملاً نافذ کیا گیا تھا۔

اس نظریے کی سنگینی کو سمجھنے کے لیے جنگ کے قانون کے دو بنیادی اصول یاد رکھنے چاہئیں۔ پہلا امتیاز کا اصول ہے: لڑنے والے اور نہ لڑنے والے میں فرق کیا جائے گا۔ دوسرا تناسب کا اصول ہے: کسی فوجی ہدف پر حملے سے ہونے والا شہری نقصان اس فوجی فائدے سے بڑھ نہیں سکتا۔ ضاحیہ ڈاکٹرین ان دونوں اصولوں کو ایک جملے میں منسوخ کر دیتی ہے۔ وہ گاؤں کو اڈہ قرار دے کر امتیاز ختم کرتی ہے، اور غیر متناسب طاقت کو اعلانیہ پالیسی بنا کر تناسب۔ اس میں گولی چلانے والے کو نہیں، اس کی گلی کو سزا دی جاتی ہے؛ مجرم کو نہیں، جغرافیے کو۔ یہ جنگ کی وہ صورت ہے جس میں بستی بجائے خود دشمن بن جاتی ہے۔

آج آئزنکوٹ کیا کہتے ہیں؟ اگست 2026 میں اسرائیلی اخبار اسرائیل ہیوم کو دیے گئے انٹرویو میں انہوں نے کہا کہ سات اکتوبر کے بعد جو بھی دو ریاستی حل کی بات کرتا ہے، وہ خیالی دنیا میں رہتا ہے۔ ایک امریکی جریدے سے گفتگو میں انہوں نے واضح کیا کہ وہ کبھی "دو قوموں کے لیے دو ریاستوں" کے فارمولے کے قائل نہیں رہے۔ جون 2026 کے ایک انٹرویو میں انہوں نے مقبوضہ مغربی کنارے میں، جسے وہ یہودیہ اور سامریہ کہتے ہیں، یہودی بستیوں کی آبادکاری پر اپنے پختہ یقین کا اظہار کیا۔ عرب جماعتوں کے ساتھ اتحاد کے سوال پر انہوں نے ایک ٹی وی انٹرویو میں کہا کہ یہ ان کے اصولوں کے خلاف ہے، اور اتحادیوں کے لیے یہ شرط رکھی کہ وہ اسرائیل کو یہودی اور جمہوری ریاست تسلیم کریں، حالانکہ اسرائیل کی آبادی کا پانچواں حصہ عرب شہریوں پر مشتمل ہے۔ اور جب جولائی 2026 میں نیویارک کے میئر ظہران ممدانی نے بین الاقوامی فوجداری عدالت کے وارنٹ کی بنیاد پر نیتن یاہو کی گرفتاری کی بات کی، تو آئزنکوٹ، جو نیتن یاہو کو اقتدار سے ہٹانا چاہتے ہیں، فوراً ان کے دفاع میں کھڑے ہو گئے اور اس مطالبے کو سچائی کی بے پروا تحریف اور خالص یہود دشمنی قرار دیا۔

ان کے ماضی کا ایک اور باب بھی اس تصویر کو مکمل کرتا ہے۔ 2018 میں غزہ کی سرحد پر "گریٹ مارچ آف ریٹرن" کے مظاہروں کے دوران، جب وہ فوج کے سربراہ تھے، سو سے زائد فلسطینی اسرائیلی گولیوں سے مارے گئے۔ اقوامِ متحدہ کے تحقیقاتی کمیشن نے فروری 2019 میں قرار دیا کہ اس بات پر یقین کی معقول بنیادیں موجود ہیں کہ اسرائیلی فوجیوں نے ان مظاہرین پر براہِ راست گولیاں چلا کر بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزیاں کیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ اسی پالیسی پر سب سے سخت تنقید خود اسرائیل کی انسانی حقوق کی تنظیم بتسلیم نے کی، جس نے اسے غیر مسلح مظاہرین پر براہِ راست فائرنگ کی پالیسی کہا۔

انصاف کا تقاضا ہے کہ تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھا جائے۔ آئزنکوٹ کے حامی یاد دلاتے ہیں کہ انہوں نے انتہا پسند وزرا بزلئیل سموتریچ اور اتمار بن گویر پر اسرائیل کے قومی مفاد کو سبوتاژ کرنے کا الزام لگایا، کہا کہ مغربی کنارے میں فوج کا کنٹرول کمزور پڑ گیا ہے اور اسے بحال ہونا چاہیے، اور متنازع "ای ون" آبادکاری منصوبے کو غلطی قرار دیا۔ وہ غزہ میں ایسی طویل جنگ بندی کے حامی ہیں جس میں یرغمالیوں کی واپسی اور حماس کا غیر مسلح ہونا شامل ہو، اور ان شرائط پر بندرگاہ سمیت بحالی کے اقدامات قبول کرنے کو تیار ہیں۔ ان کے حامی یہ بھی کہتے ہیں کہ ضاحیہ ڈاکٹرین کا مقصد جنگ نہیں، جنگ کو روکنا تھا۔ ان باتوں میں وزن ہے، اور یہ ماننے میں کوئی حرج نہیں کہ وہ ان وزیروں سے مختلف ہیں جو فلسطینیوں کو کھلے عام بے دخل کرنے کی بات کرتے ہیں۔ مگر غور کیجیے کہ ای ون منصوبے پر ان کا اعتراض یہ تھا کہ اس سے اسرائیل کو بین الاقوامی سطح پر نقصان ہوتا ہے، اور فلسطینیوں سے علیحدگی کی ان کی وکالت کی ایک بنیادی دلیل "یہودی اکثریت" کا تحفظ ہے۔ یعنی اختلاف قیمت اور طریقے پر ہے، فلسطینیوں کے حق پر نہیں۔ اور ایک اسرائیلی جریدے کے تجزیے کے مطابق انتخابی مہم کے آخری ہفتوں میں ان کی حکمتِ عملی نیتن یاہو کو دائیں جانب سے پیچھے چھوڑنے کی تھی۔ جس سیاست میں مقابلہ نرمی کا نہیں بلکہ سختی کا ہو، وہاں ہر نیا امیدوار پرانے سے زیادہ سخت نظر آنے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔

یہیں وہ نکتہ ہے جو اس انتخاب کی عالمی تفہیم میں گم ہو گیا ہے۔ گزشتہ برسوں میں اسرائیلی ریاست کے طرزِ عمل کو ایک شخص کے نام سے پہچانا جانے لگا۔ بین الاقوامی فوجداری عدالت نے نومبر 2024 میں جن دو اسرائیلی رہنماؤں کے وارنٹ جاری کیے، ان میں نیتن یاہو سرِ فہرست تھے، اور دنیا بھر کے احتجاجوں میں ان کا چہرہ ظلم کی علامت بن گیا۔ اس شخصی تصویر کا ایک خطرناک نتیجہ یہ ہے کہ جب ظلم ایک فرد کا نام بن جائے، تو اس فرد کا جانا ظلم کے خاتمے کا دھوکا دینے لگتا ہے۔ اگر نیتن یاہو رخصت ہوتے ہیں تو مغربی دارالحکومتوں میں اطمینان کا سانس لیا جائے گا، تعلقات "معمول" پر آنے لگیں گے، اور دباؤ ڈھیلا پڑ جائے گا، حالانکہ جس نظریے کے تحت غزہ اور جنوبی لبنان کی بستیاں ملبے میں بدلیں، اس کا مصنف خود اقتدار کے دروازے پر کھڑا ہو سکتا ہے۔ چہرے بدلنے سے نقشے نہیں بدلتے؛ نقشے نظریے بدلنے سے بدلتے ہیں۔

اس میں ہمارے لیے، ہندوستان کے اردو قارئین کے لیے بھی، ایک سبق ہے۔ ہماری صحافت اکثر بین الاقوامی سیاست کو ہیرو اور ولن کی کہانی بنا دیتی ہے۔ ایک کو گرتا دیکھ کر ہم خوش ہوتے ہیں اور دوسرے کے لہجے سے امیدیں باندھ لیتے ہیں۔ سنجیدہ تجزیے کا تقاضا یہ ہے کہ رہنماؤں کو ان کی آواز سے نہیں، ان کی پالیسی، ان کے ریکارڈ اور ان کے اعلانیہ نظریات سے پرکھا جائے۔ ہندوستان سرکاری طور پر مذاکرات کے ذریعے دو ریاستی حل کی حمایت کرتا آیا ہے؛ اس پالیسی کو بامعنی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ نئی دہلی اسرائیل کی کسی بھی آنے والی حکومت سے بین الاقوامی انسانی قانون کی پاسداری، غزہ تک انسانی امداد کی بلا رکاوٹ رسائی، اور بین الاقوامی عدالتوں کے احترام کا تقاضا اسی شدت سے کرے، خواہ وزیرِ اعظم کا نام کچھ بھی ہو۔ اور ایک بات ہمیں اپنی تحریروں میں بھی ملحوظ رکھنی چاہیے: تنقید ایک ریاست کے نظریے اور اس کے حکمرانوں کی پالیسی پر ہو، کسی قوم یا مذہب پر نہیں۔ اسرائیل کے اندر بتسلیم جیسی تنظیمیں اور بہت سے اسرائیلی صحافی خود اسی نظریے کے سب سے بے باک ناقد ہیں۔ انصاف کی جدوجہد کو نفرت کی زبان سے سب سے زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔

آئزنکوٹ کا دکھ حقیقی ہے؛ کوئی باپ اپنے بیٹے کی موت کو بھلا نہیں سکتا۔ مگر سوگ کی سچائی تب پوری ہوتی ہے جب وہ سرحد پار کر کے غزہ کے ان باپوں تک پہنچے جن کے بچے ملبے کے نیچے دفن ہوئے۔ جو دکھ صرف اپنی طرف دیکھے، وہ انتقام کی ایندھن بن جاتا ہے؛ جو دوسرے کا دکھ بھی پہچان لے، وہی امن کی بنیاد رکھ سکتا ہے۔

غزہ یا جنوبی لبنان کے کسی بچے کے لیے اس بات کا کوئی مطلب نہیں کہ اس کے گھر پر گرنے والے بم کا حکم کسی چیختے ہوئے سیاست دان نے دیا یا کسی دھیمے لہجے والے جرنیل نے۔ اسرائیل کا اگلا وزیرِ اعظم کوئی بھی ہو، اصل سوال یہ ہے کہ کیا اسرائیلی ریاست کبھی یہ مان سکے گی کہ کسی گاؤں کو فوجی اڈہ کہہ دینے سے وہاں سوئے ہوئے بچے سپاہی نہیں بن جاتے؟

Published By: Ulama Foundation Nepal,Bhairahwa, RupandehiLumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

اسلام ہماری زندگیوں سے کہاں کھو گیا؟

محمد عادل ارریاوی

ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر سوچیے جس دین نے ہمیں زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا اندھیروں میں روشنی دکھائی، حق و باطل میں تمیز کرنا سکھایا، والدین کے حقوق سے لے کر پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک تک ہر معاملے میں ہماری رہنمائی کی، کیا ہم نے کبھی اس دین کی تعلیمات کو سمجھنے اور اپنی زندگی میں اتارنے کی کوشش کی؟۔

آج ہم اسلام کے نام پر فخر تو کرتے ہیں، لیکن ہمارے کردار و عمل میں اس کی تعلیمات کی جھلک کم ہی دکھائی دیتی ہے۔ زبان پر سچائی کے دعوے ہیں، مگر معاملات میں دیانت داری کا فقدان عبادات کا اہتمام ہے، مگر حقوق العباد سے غفلت دین سے محبت کا اظہار ہے، مگر اس کے احکام پر عمل کرنے میں کوتاہی۔ آخر کب تک ہم اپنی عملی کمزوریوں سے اسلام کی خوب صورت تعلیمات کو ڈھانپتے رہیں گے؟ یاد رکھیے اسلام کی عظمت صرف ہمارے لفظی نعروں سے نہیں، بلکہ ہمارے کردار سے نمایاں ہوگی۔ تقاضا اس بات کا ہے کہ ہم اسلام کو صرف اپنا تعارف ہی نہیں، بلکہ اپنی زندگی کا عملی دستور بنائیں۔ اسلام اخلاص کے ساتھ زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔ جب مدائین فتح ہوا تو جنگ ختم ہونے کے بعد امیر لشکر کے پاس ایک مسلمان فوجی آیا جس کے جسم پر بہت ہی معمولی کپڑے تھے، حیثیت بھی معمولی نظر آرہی تھی اور اس نے کپڑوں کے اندر کوئی چیز چھپائی ہوئی تھی اس نے آکر سعد بن ابی وقاص کو وہ چیز دی، جب کپڑا ہٹایا گیا، تو وہ مدائن کے بادشاہ کا تاج تھا، جنگ کے اندر بادشاہ مارا گیا تھا اور اس فوجی نے اس کے تاج کو اپنے پاس سنبھال لیا تھا بادشاہ کا تاج اتنا قیمتی تھا، اس میں اتنے قیمتی ہیرے اور موتی بھی لگے ہوئے تھے کہ اگر ایک ہیرہ بھی بیچا جاتا تو اس فوجی کی پوری زندگی سکون اور آسانی کے ساتھ گزر جاتی اور کسی کو پتہ بھی نہیں تھا کہ یہ تاج کس کے پاس ہے مگر اس کے دل میں اخلاص تھا، خوف خدا تھا کہ یہ ایک امانت ہے، تو اس نے جا کر وہ تاج امیر لشکر کو دیا کہ یہ امانت ہے میں آپ کو دینے کے لیے آیا ہوں، تو امیر لشکر اس نوجوان کے اخلاص پر حیران ہوا، اس نے نوجوان سے نام پوچھا کہ بتاؤ تمہارا نام کیا ہے؟ تو جیسے ہی نام پوچھا تو اس نوجوان نے اپنا رخ پھیر کر امیر کی طرف پیٹھ کر دی، چہرہ دوسری طرف کر کے یہ الفاظ کہے کہ جس پروردگار کو راضی کرنے کے لیے یہ عمل میں نے کیا ہے وہ میرا نام بھی جانتا ہے اور میرے باپ کا نام بھی جانتا ہے۔

اسلامی طریقہ زندگی کو اپنائیں کیونکہ یہ سونا ہے۔ کفر اپنی طاقت کے ڈنڈے کی زور پر پیتل کو بھی سونا ثابت کرنا چاہتا ہے وہ حیاء کو بُرائی اور بے حیائی کو اچھائی ایثار کو برا اور خود غرضی کو اچھائی سے بیان کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ ہم اللہ رب العزت کے شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمیں مسلمانوں کے گھروں میں پیدا کیا ہے۔ رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا صلی اللہ علیہ وسلم (سنن ابی داؤد حدیث نمبر 1529)۔

اسلام علم و دلیل کا حامی ہے اسلام نے تحصیل علم پر زور دیا ہے۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ (ابن ماجہ) علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور (عورت) پر فرض ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا علماء کی سیاہی شہداء کے خون سے زیادہ قیمتی ہے۔ اسلام نے جاہلیت کے دور میں اقوام عالم کو علم سکھایا۔ جنگ بدر میں پڑھے لکھے کفار کی آزادی کیلئے ایک شرط یہ بھی لگادی کہ جو قیدی 10 مسلمانوں کو لکھنا سکھائے گا وہ آزاد ہوگا، اس سے علم کی اہمیت کا اندازہ لگانا آسان ہے۔ دینی مدارس اور اسلامی جامعات سے امن و سلامتی کا پیغام نشر کیا جاتا ہے، سماج اور معاشرہ کے سدھار کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے، مدارس میں بتایا جاتا ہے کہ حقیقی مسلمان وہی ہے جس کی ایذا رسانیوں سے دوسرے مسلمان محفوظ و مامون ہوں۔ یہاں پڑوسیوں کے حقوق کی نگہداشت کی ہدایات دی جاتی ہیں، پوری انسانیت کو ایک کنبہ بتلایا جاتا ہے، سب کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دی جاتی ہے نسلی تفاخر اور خاندانی برتری کا بہت مسمار کیا جاتا ہے توڑ دیا جاتا ہے، ملک و ملت کی اصلاح و فلاح کی ترکیبیں بتلائی جاتی ہیں۔ نتیجتاً مدارس کی انہی خصوصیات کی بنا پر مغربی معاشرہ اپنے خود ساختہ اصولوں سے پریشان ہو کر اسلام کے دامن رحمت میں جگہ تلاش کرتا ہے اور بامراد ہوتا ہے۔

تاریخ اس پر گواہ ہے کہ جس ماحول اور معاشرہ میں اسلامی تعلیمات پر عمل کیا گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہی رہ کر زندگی گزارنے کی کوشش کی گئی، وہ ماحول اور معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بنا رہا، اس معاشرے کے ہر ہر فرد کو ذہنی سکون مل رہا ہے۔ اسلام کی تمام حدود (جرائم کی روک تھام کے لئے عملی اقدامات) کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ہر ایک سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان سزاؤں کا مقصود صرف سزا یافتہ مجرم کی ہی اصلاح نہیں ہے بلکہ اس کی روشنی میں اسلام کی یہ روح میں بھی شامل ہے کہ وہ سزا یافتہ آدمی کو معاشرے کے لئے ایک عبرت کا نشانہ بنائے تاکہ دوسرے افراد ایسی غلطیوں سے پرہیز کریں۔ یہ اسلامی اصول فطرت کے عین مطابق ہے اس لئے اگر ان کی بہتر انداز سے تشریح کی جائے تو انسانی طبیعتیں خود بخود اس کی طرف مائل ہوتی ہیں۔

اسلام کی تمام تعلیمات کا یہی انداز ہے کہ انسانی ضرورتوں اور انسانی نفسیات کی رعایت اس میں بھری ہوئی ہے۔ لیکن اسلام دشمن طاقتیں اسلامی تعلیمات کو انسانیت کش اور ماحول و معاشرہ کی ترقی میں رکاوٹ کا نام دیتی ہیں، اور وہ اپنے کفر پیتل کو سونا پیش کرتے ہیں اور ہمارے سونے کو پیتل پیش کرتے ہیں۔ نظر اٹھا کر دیکھا جائے تو آج پوری دنیا میں یہی نظر آئے گا کہ مسلمانوں کی عملی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر غیر اسلامی قومیں اسلام کی شکل کو ہر ممکن طریقے سے بگاڑنے میں لگی ہوئی ہیں۔

اسلام صرف رسومات کا ایک طریقہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسا نظام زندگی ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں بہترین رہنمائی کرتا ہے۔ البتہ مذہب اسلام اپنے تمام احکامات میں اپنے ماننے والوں سے مکمل خود سپردگی اور کامل اتباع چاہتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ ربّ العزت نے ارشاد فرمایا یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ۔ (سورۃ بقرہ، آیت: 208)

ترجمہ اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ اور یہ صرف تعلیم نہیں ہے بلکہ محسن انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے پوری دنیا کے لئے صاف نمونہ پیش کیا ہے۔ ہم سب لوگ اس بات کی کوشش کریں کہ کسی بھی حال میں اپنا اسلامی تشخص اور اپنا دینی امتیاز نہیں چھوڑیں گے۔

جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے سب کو اپنی طرف سے تمہارے کام پر لگا دیا چنانچہ کائنات کی ہر چیز شب و روز خدمت انسان میں لگی ہوئی ہے۔ اس موقع پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ جب دنیا کی ہر چیز انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے تو انسان کو کس لئے پیدا کیا گیا ہے؟ آخر اس کا مقصد کیا ہے؟ سوال کا جواب اللہ رب العزت نے انتہائی واضح انداز میں فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ؛ (ترجمہ) کہ میں نے جن اور انسان اس لئے پیدا کئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ اے اہل عقل سنئیے اللہ ربّ العزت نے عبادت کا عنصر روز اول ہی سے انسان کی طبعیت میں رکھ دیا ہے تاکہ وہ طبعی طور پر عبادت کی طرف مائل رہے۔ انسان بحیثیت مسلمان ہونے کے یہ تسلیم کرتا ہے کہ تمام کائنات پر خدا کی حکومت ہے رسولوں اور کتابوں کے ذریعے اللہ ربّ العزت کی حکومت کے قوانین مقرر ہوتے ہیں، اور قیامت کے دن کے تصور سے انسان میں حکم خدا ماننے کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح ایک صحیح اجتماعی نظام قائم ہوتا ہے۔

اسلام کی مذہبی عبادت بہت آسان ہے، اسلام نے ہر حکم انسانی طاقت کے مطابق مقرر کیا ہے اسلام نے سائنس کی تعلیم پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن کریم میں جابجا انسان کو دنیا کی سیر و سیاحت کائنات کی تغیر اور کار خانہ قدرت کے راز ہائے سربستہ معلوم کرنے کی تعلیم و ترغیب دی گئی ہے۔ اسلام میں اجتماعیت کو بھی اہمیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہو، قومی اتحاد کو نقصان نہ پہنچے نیک مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ اسلام نے ہر شخص کو اپنے دائرہ عمل میں رہتے ہوئے اپنی طاقت کے مطابق لوگوں کی خدمت کا ذمہ دار قرار دیا ہے، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک چرواہے کی مانند (ذمہ دار) ہے، اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ آج ہمارے معاشرے میں بہت سے مسائل کی بنیادی وجہ اسلامی تعلیمات سے دوری اور اخلاقی اقدار کی کمزوری ہے۔ جھوٹ، دھوکا، خود غرضی، حسد، بددیانتی اور حقوق تلفی نے انسانی رشتوں کی خوب صورتی کو متاثر کیا ہے۔ اگر ہم قرآن و سنت کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں نافذ کریں، اپنے معاملات کو درست کریں اور دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کریں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں، تو معاشرے میں محبت، اعتماد، ہمدردی اور امن کی فضا قائم ہو سکتی ہے۔

لیکن افسوس صد افسوس کہ آج ہم میں سے بہت سے لوگ اسلام کی عظمت کے تذکرے تو بڑے شوق سے کرتے ہیں، مگر اپنی عملی زندگی کا جائزہ لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ دنیا اسلام کی خوبیوں کو تسلیم کرے، لیکن کیا ہم خود اپنی زندگیوں میں ان خوبیوں کو نمایاں کرتے ہیں؟ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ مسلمانوں کو دیانت دار، بااخلاق اور امن پسند سمجھیں، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ہمارا کردار بھی ان صفات کا آئینہ دار ہو۔ صرف نام دعوے اور جذبات کسی دین کی حقیقی تعلیمات کی ترجمانی نہیں کر سکتے اس کے لیے عمل کی گواہی ضروری ہے۔

اللہ رب العزت ہمیں اسلام کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

29اکتوبر2026ء بروز جمعرات

رشتے کیوں ٹوٹ رہے ہیں؟

سائرہ فاطمہ بنت الحاج جان محمد جنکپور نیپال

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں خاندانی نظام کا زوال

انسانی زندگی میں رشتوں کی بڑی اہمیت ہے۔ والدین، اولاد، بہن بھائی، میاں بیوی اور دیگر رشتہ دار ایک دوسرے کے لیے محبت، سکون اور تعاون کا ذریعہ ہیں۔ لیکن آج ہمارے معاشرے میں ایک افسوس ناک صورتِ حال دیکھنے کو مل رہی ہے کہ معمولی باتوں پر دل ٹوٹ جاتے ہیں، چھوٹی چھوٹی غلط فہمیوں سے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات برسوں کے رشتے بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کیا ہمارے دلوں سے برداشت، معافی، محبت اور ایک دوسرے کے حقوق کا احساس کم ہوتا جا رہا ہے؟ اسلامی تعلیمات ہمیں ان مسائل کا حل بتاتی ہیں، ضرورت صرف ان پر عمل کرنے کی ہے۔

رشتوں کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں

اسلام نے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور صلہ رحمی کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور رشتہ داریوں کا لحاظ رکھو۔ (سورۃ النساء: 1)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رشتہ داریوں کا خیال رکھنا اور ان کے حقوق ادا کرنا بہت اہم ذمہ داری ہے۔ رشتے صرف خوشی کے مواقع پر ساتھ رہنے کا نام نہیں، بلکہ مشکل وقت میں ایک دوسرے کا سہارا بننا بھی ان کا تقاضا ہے۔

رشتے ٹوٹنے کے اہم اسباب

رشتوں میں دوری پیدا ہونے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ان میں بدگمانی، حسد، غصہ، انا، بے جا مداخلت، مالی معاملات میں ناانصافی اور ایک دوسرے کی بات نہ سمجھنا شامل ہیں۔

بعض اوقات انسان اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بجائے ہر حال میں خود کو درست ثابت کرنا چاہتا ہے۔ معافی مانگنے کو اپنی توہین سمجھتا ہے اور دوسرے کی معذرت قبول کرنے سے بھی انکار کر دیتا ہے۔ یوں ایک معمولی اختلاف بڑھتے بڑھتے بڑی دوری میں بدل جاتا ہے۔

ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ہر انسان سے غلطی ہو سکتی ہے۔ سمجھ داری یہ نہیں کہ ہم کبھی غلطی نہ کریں، بلکہ یہ ہے کہ غلطی ہو جانے پر اسے تسلیم کریں، معافی مانگیں اور تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔

والدین، اولاد اور میاں بیوی کے حقوق

خاندانی نظام کی مضبوطی کے لیے ضروری ہے کہ ہر فرد اپنی ذمہ داری پہچانے۔ اولاد والدین کا احترام کرے، ان کی خدمت کرے اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ والدین بھی اولاد کی تربیت محبت، حکمت اور انصاف کے ساتھ کریں۔

میاں بیوی کو چاہیے کہ ایک دوسرے کی عزت کریں، ایک دوسرے کے جذبات اور حقوق کا خیال رکھیں اور گھریلو معاملات کو سمجھ داری سے حل کریں۔ اسی طرح بہن بھائیوں کو معمولی اختلافات کی وجہ سے تعلقات ختم نہیں کرنے چاہییں۔

کسی بھی رشتے کو مضبوط بنانے کے لیے صرف محبت کا دعویٰ کافی نہیں، بلکہ صبر، احترام، اعتماد اور ذمہ داری بھی ضروری ہیں۔

معافی اور حسنِ سلوک کی اہمیت

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ

ترجمہ: رشتہ توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (صحیح البخاری، حدیث: 5984)

یہ حدیث رشتہ داری توڑنے کی سخت مذمت بیان کرتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ بلاوجہ رشتہ داروں سے تعلق ختم نہ کریں، بلکہ صلح اور تعلقات کی بحالی کی کوشش کریں۔ البتہ ظلم یا نقصان کی صورت میں اپنی حفاظت کرتے ہوئے مناسب حدود قائم رکھنا بھی ضروری ہو سکتا ہے۔

معاف کرنا کمزوری نہیں، بلکہ بہت سے مواقع پر یہ اعلیٰ ظرفی کی علامت ہے۔ ایک نرم جملہ، ایک قدم آگے بڑھانا اور خلوص کے ساتھ معذرت کرنا ٹوٹتے ہوئے تعلقات کو بہتر بنانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

اختتامیہ

رشتے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، ان کی قدر کیجیے۔ دنیا کی دولت، شہرت اور کامیابی اس محبت کا بدل نہیں بن سکتیں جو ایک خاندان کو جوڑے رکھتی ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے گھر سکون کا گہوارہ بنیں تو ہمیں غصے کے بجائے صبر، نفرت کے بجائے محبت اور ضد کے بجائے سمجھ داری کو اختیار کرنا ہوگا۔

آیئے! آج ہم اپنے دلوں کا جائزہ لیں۔ اگر کسی رشتہ دار سے ناراضی ہے تو مناسب انداز میں صلح کی کوشش کریں، اگر کسی کا حق دبایا ہے تو اسے ادا کریں اور اگر ہماری کسی بات سے کسی کا دل دکھا ہے تو معذرت کرنے میں دیر نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمارے گھروں میں محبت و سکون عطا فرمائے، ہمارے دلوں سے کینہ و حسد دور فرمائے اور ہمیں رشتوں کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

*کتبتہ:
سائرہ فاطمہ بنت الحاج جان محمد جنکپور نیپال*

دبئی میں اردو ادب کا عالمی جشن، عمران پرتاپ گڑھی سمیت نامور شعرا نے باندھا سماں

سید آصف امام کاکوی.

دبئی، 25اکتوبر: دبئی کی سرزمین پر اردو زبان و ادب، شاعری، تہذیب اور ہندوستانی گنگا جمنی روایت کا ایک نہایت دل کش، یادگار اور تاریخی منظر 24اکتوبر 2026ء کو دیکھنے کو ملا، جب شیخ راشد آڈیٹوریم، انڈین ہائی اسکول، عود میثاء میں جشنِ اردو کی دسویں سالگرہ کے موقع پر شاندار سالانہ مشاعرہ اور کوی سمیلن منعقد ہوا۔ ""عظیم شعرا کو خراجِ عقیدت"" کے عنوان سے منعقد ہونے والی اس ادبی تقریب میں اردو شاعری کے شائقین، دانش وروں، صحافیوں، اہلِ قلم، ادبی شخصیات اور مختلف سماجی حلقوں سے تعلق رکھنے والے معزز افراد نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ آڈیٹوریم کا پُرجوش ماحول، شعرا کے کلام پر گونجتی داد و تحسین اور حاضرین کی والہانہ وابستگی اس حقیقت کی گواہی دے رہی تھی کہ زبان و ادب کی محبت سرحدوں اور جغرافیائی فاصلوں کی پابند نہیں ہوتی۔ یہ محفل محض ایک سالانہ مشاعرہ نہیں تھی، بلکہ اردو زبان کی عظیم ادبی روایت، ہندوستانی تہذیب کی دل آویزی اور انسانی جذبات کی ترجمانی کرنے والی شاعری کا ایک ایسا جشن تھی جس نے دبئی میں مقیم اہلِ اردو کو اپنی زبان، اپنے ادب اور اپنی تہذیبی شناخت سے قریب آنے کا خوب صورت موقع فراہم کیا۔ اس عالمی سطح کی تقریب میں معروف اماراتی کاروباری شخصیت بو عبداللہ نے بطور مہمانِ خصوصی شرکت کی۔ جشنِ اردو کے بانی سید فرحان واسطی، اسپانسرز اور دیگر معزز شخصیات نے شریک شعرا کو روایتی شالوں اور یادگاری مومنٹوز سے نواز کر ان کی ادبی خدمات کا اعتراف کیا۔ مشاعرے کی صدارت معروف شاعر جناب اظہر عنایتی نے کی، جبکہ نظامت کے فرائض نیر جلال پوری نے نہایت سلیقے، اعتماد اور ادبی وقار کے ساتھ انجام دیے۔ ان کی دل نشیں نظامت نے تقریب کے مختلف حصوں کو مربوط رکھا اور شعری محفل کے ماحول کو خوش گوار بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ تقریب میں ہندوستان اور متحدہ عرب امارات سے تعلق رکھنے والے نامور شعرا اور ادبی شخصیات کی شرکت نے اس محفل کو غیر معمولی اہمیت عطا کی۔ عمران پرتاپ گڑھی، شکیل اعظمی، شمیم عباس، ابرار کاشف، شلج راحت اندوری، احمد سلمان، منیکا دوبے، پروفیسر رحمان مصور، ڈاکٹر سلمیٰ شاہین، ہمانشی ببرا، عثمان مینائی، اختر کانپوری، مشکور ممنون قنوجی اور دیگر اہلِ سخن نے اپنے اپنے انداز اور منفرد اسلوب سے سامعین کو محظوظ کیا۔ کسی شاعر کے کلام میں محبت کی نرمی نمایاں تھی، کسی کے اشعار میں معاشرتی شعور کی جھلک دکھائی دی، تو کسی نے انسانی رشتوں، خاندانی اقدار، ماں کی عظمت، بیٹی کی محبت اور زندگی کے نشیب و فراز کو موضوع بنایا۔ یہی ایک کامیاب مشاعرے کی اصل خوب صورتی ہے کہ مختلف آوازیں، مختلف خیالات اور الگ الگ اسالیب ایک مشترکہ ادبی فضا میں جمع ہو کر سامعین کے دلوں کو متاثر کرتے ہیں۔ عثمان مینائی، منیکا دوبے اور شلج راحت اندوری کی پیش کشوں کو حاضرین کی جانب سے خصوصی پذیرائی حاصل ہوئی۔ ان کے کلام میں انسانی احساسات اور زندگی سے وابستہ موضوعات کی ترجمانی نے محفل میں ایک جذباتی کیفیت پیدا کر دی۔ تقریب کا ایک نہایت اہم اور دل کو چھو لینے والا لمحہ اس وقت سامنے آیا جب عمران پرتاپ گڑھی نے اپنی نظم ""والدِ محترم"" پیش کی۔ والد کی محبت، عظمت اور خاندانی رشتوں سے وابستہ جذبات پر مبنی اس نظم نے سامعین کو متاثر کیا اور بھرپور داد و تحسین حاصل کی۔ جب شاعر کے الفاظ سامع کے ذاتی تجربات، یادوں اور احساسات سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں تو شعر محض الفاظ کا مجموعہ نہیں رہتا، بلکہ دل کی آواز بن جاتا ہے۔ جشنِ اردو کی اس شام میں بارہا یہی کیفیت محسوس ہوئی کہ شاعر اور سامع کے درمیان ایک ایسا جذباتی رشتہ قائم ہو رہا ہے جس کی بنیاد محبت، احترام اور مشترکہ انسانی تجربات پر ہے۔ اگرچہ پروگرام کی مصروفیات اور وقت کی کمی کے باعث بعض شعرا کو اپنے کلام کی پیش کش کے لیے محدود وقت ملا، تاہم محفل کا جوش، سامعین کی دلچسپی اور ادبی ماحول اپنی جگہ برقرار رہا۔ جشنِ اردو کی دسویں سالگرہ کے موقع پر روایتی چراغ روشن کرنے کی تقریب بھی خصوصی اہمیت کی حامل رہی۔ سید فرحان واسطی کی صاحبزادی امان واسطی نے معزز مہمانوں کے ساتھ اس تقریب میں حصہ لیا اور جشنِ اردو کے دس سالہ سفر، اس کی ادبی خدمات اور دبئی میں اردو شاعری و ادب کے فروغ کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ یہ منظر اس بات کی خوب صورت علامت تھا کہ اگر کسی نسل کے افراد اپنی زبان اور تہذیب کی خدمت کے لیے خلوص سے قدم اٹھائیں تو اس کی روشنی آنے والی نسلوں تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ نئی نسل کو ادب، شاعری اور اپنی تہذیبی شناخت سے جوڑنا آج کے دور کی ایک اہم ضرورت ہے، اور ایسے پروگرام اس مقصد کے حصول میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ جشنِ اردو کے بانی سید فرحان واسطی نے اس موقع پر شریک شعرا، مہمانوں، اسپانسرز، منتظمین اور اردو سے محبت کرنے والے تمام افراد کا شکریہ ادا کیا، جن کی شرکت اور تعاون نے دسویں سالگرہ کی تقریب کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔ کسی ادبی تحریک کو مسلسل دس برس تک جاری رکھنا آسان کام نہیں۔ اس کے لیے محض انتظامی صلاحیت کافی نہیں ہوتی، بلکہ زبان سے سچی محبت، مستقل مزاجی، اہلِ ادب کا احترام اور اجتماعی تعاون کا جذبہ بھی ضروری ہے۔ سید فرحان واسطی نے جشنِ اردو کے ذریعے دبئی میں اردو شاعری کے شائقین کو ایک ایسا پلیٹ فارم فراہم کیا جہاں مختلف ادبی آوازیں ایک ساتھ سنائی دیتی ہیں اور زبان و تہذیب سے وابستگی کو تازہ کرنے کا موقع ملتا ہے۔

کیا لڑکی ہونا جرم ہے؟

اسلام نے جس طرح بنی نوع انسان کے ادنی اور پسماندہ طبقے کو ترقی یافتہ لوگوں کے شانہ بشانہ کھڑا کیا اور انہیں انسانی حقوق سے مالا مال کیا، اسی طرح اس نے صنف نازک کو بھی دور جاہلیت کے ظالمانہ اور وحشیانہ ماحول سے نکال کرانہیں عزت و وقار کے بلند مقام پر فائز کیا اور انہیں انسانی حقوق سے بہرہ ور کیا، جس سے وہ دور جاہلیت میں محروم ہو چکی تھیں۔

اسلام سے پہلے عرب معاشرہ میں ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں عورت کا کوئی مقام نہیں تھا، لوگ لڑکیوں کی پیدائش کو اپنے لیے باعث عار سمجھتے تھے، اور بعض قبیلوں میں لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیا کرتے تھے۔ جس کو اللہ عزوجل نے قران مقدس میں یوں ذکر کیا ہے:

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ. یَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖؕ-اَیُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِؕ-اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ.
(النحل،16/59،58)

ترجمہ کنزالایمان: اور جب ان میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے، تو دن بھر اس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصہ کھاتا ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے، اس بشارت کی برائی کے سبب کیا اسے ذلت کے ساتھ رکھے گا یا اسے مٹی میں دبا دے گا۔

اور صراط الجنان میں امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے: کہ زمانۂ جاہلیت میں کفار مختلف طریقوں سے اپنی بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے، ان میں سے بعض گڈھا کھودتے اور بیٹی کو اس میں ڈال کر گڈھا بند کر دیتے حتی کہ وہ مر جاتی۔ اور بعض اسے پہاڑ کی چوٹی سے پھینک دیتے، بعض اسے غرق کر دیتے، اور بعض اسے ذبح کر دیتے، ان کا بیٹیوں کو قتل کرنا بعض اوقات غیرت اور حمیّت کی وجہ سے ہوتا تھا، اور بعض اوقات فقر و فاقہ اور نان و نفقہ لازم ہونے کے خوف سے وہ ایسا کرتے تھے۔

ایسے خوفناک اور پر آشوب ماحول میں جب اسلام آیا تو اس نے عورتوں کو معاشرے میں ان کے حقوق عطا کیے، لڑکیوں کو دفن کر دینے والی ظالمانہ رسم کا خاتمہ کیا، اور ان کی عزت و وقار کو بلند کیا۔ اسلام نے بیٹی کو بوجھ نہیں بلکہ اللہ تعالی کی عطا کردہ نعمت قرار دیا، اور اس کے حقوق کی ادائے گی پر زور دیا۔ مگر افسوس کی آج ہمارے معاشرے میں کچھ ایسے افراد موجود ہیں، جو دور جاہلیت کے اطوار کو اپناتے ہوئے بیٹیوں کی پیدائش کو اپنے لیے باعث عار سمجھ رہے ہیں، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بجائے بد سلوکی کر رہے ہیں، اور بیٹوں کو بیٹیوں پر فضیلت نہ دینے کے بجائے ان کو کمتر اور حقیر سمجھ رہے ہیں۔

ایسے حالات میں یہ سوال نہایت اہمیت اختیار کر جاتا ہے کہ کیا لڑکی ہونا جرم ہے؟ کیا محض لڑکی پیدا ہونے کی وجہ سے کسی انسان کو کمتر سمجھنا انسانیت، عدل و انصاف اور اسلامی تعلیمات کے منافی نہیں ہے؟

جب کہ بیٹے اور بیٹیاں دینے یا نہ دینے کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ-یَخْلُقُ مَا یَشَآءُؕ-یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ. اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًاۚ-وَ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًاؕ-اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ.(الشوری، 42/50،49)

ترجمہ کنزالایمان: اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت، پیدا کرتا ہے جو چاہے، جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے۔ یا دونوں ملا دے بیٹے اور بیٹیاں اور جسے چاہے بانجھ کر دے۔ بے شک وہ علم و قدرت والا ہے۔

ان مذکورہ آیات کریمہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ کسی کے یہاں بیٹے پیدا کرنے یا صرف بیٹیاں پیدا کرنے یا بیٹے اور بیٹیاں دونوں پیدا کرنے کا اختیار و قدرت صرف اللہ تعالی کے پاس ہے ۔تو بیٹی پیدا ہونے پر عورت کو مشقِ ستم بنانا، اسے طرح طرح کی اذیتیں دینا، بات بات پہ طعنوں کے نشتر چبھونا، آئے دن ذلیل کرتے رہنا، صرف بیٹیاں پیدا ہونے پر اسے منحوس سمجھنا اور طلاق دے دینا، قتل کی دھمکیاں دینا بلکہ بعض اوقات قتل کر ڈالنا یہ اس مجبور اور بے بس کے ساتھ کہاں کا انصاف ہے۔ اللہ عزوجل ایسے لوگوں کو عقل سلیم عطا فرمائے تاکہ ایسے بے ہودہ کام کرنے سے باز آجائیں۔

آیئے حدیث پاک کی روشنی میں ہم بیٹیوں کی عظمت و شان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ بیٹیوں کے ساتھ ناانصافی کرنے والے لوگ اپنی حرکتوں سے باز آئیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کریں۔

جنت میں داخلہ

نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس کے ہاں دو بیٹیاں پیدا ہوئیں، اس نے ان کو زندہ دفن نہ کیا، ان کو برا نہ جانا، اور نہ ہی بیٹوں کو ان پر ترجیح دی، تو اللہ تعالی اس کے بدلے میں اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔(المستدرک، کتاب البر والصلۃ، حدیث: 7348) اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کی تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا۔

(جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، حدیث: 1835)

محبت کرنے والیاں

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیٹیوں کو برا نہ سمجھا کرو، بے شک وہ محبت کرنے والیاں ہیں۔

(مسند امام احمد، حدیث: 17508)

جہنم سے حفاظت

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص بیٹیوں کی پرورش کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور اس نے صبر سے کام لیا تو وہ بچیاں اس کے لیے جہنم سے رکاوٹ بن جائیں گی۔

(جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، حدیث: 1836)

جنت واجب ہو جاتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی تین بیٹیاں ہوں، وہ ان کی پرورش کرے اور ان کی کفالت کرے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! اگر دو ہوں تو؟ آپ نے فرمایا: وہ بھی، ہم نے عرض کی، ایک، آپ نے فرمایا: ایک بھی۔

(المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث 6199)

بیٹیوں کے ساتھ ہمارے پیارے نبی کا طرز عمل

ہمارے پیارے نبی کی پیاری بیٹی سیدہ کائنات حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں، تو آپ کھڑے ہو کر ان کی طرف متوجہ ہوتے، پھر اپنے پیارے پیارے ہاتھ میں ان کا ہاتھ لے کر اسے بوسہ دیتے، پھر انہیں اپنی جگہ بٹھاتے۔ اسی طرح جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے، تو وہ بھی کھڑی ہو جاتیں، آپ کا مبارک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چومتیں، اور آپ کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔(سنن ابو داؤد، کتاب الادب، حدیث: 5217)

عزیزان محترم!

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بیٹی ہونا جرم نہیں بلکہ بیٹی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت اور رحمت ہے، جو رنج والم میں ساتھ دینے والی اور محبت کرنے والی ہے، جس کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے جنت واجب ہو جاتی ہے، یاد رہے کہ صنف نازک کسی بھی روپ میں ہو وہ اپنے والد، بھائی، اولاد اور شوہر کے لیے باعث رحمت اور جنت تک پہونچانے کا ایک عظیم ذریعہ ہے۔ اگر وہ ماں ہے تو اس کے قدموں کے نیچے جنت، بہن ہے تو بھائیوں کے لیے بہترین دوست، بیوی ہے تو شوہر کے لیے آدھا دین (ایمان) اور بیٹی ہے تو اللہ کی رحمت اور برکت ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم بیٹیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ان کی ہر نیک و جائز تمناؤں کو پوری کرنے کی کوشش کریں اور بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح نہ دیں۔ اللہ عزوجل ہم سب کو بیٹیوں کی عظمت و شان کو سمجھنے اور اپنی بیٹیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

از: ثقلین رضا علیمی

البرکات اسلامک انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ

مردانِ اسلام کے کارنامے اور نسلِ نو کی قائدانہ تشکیل

قیادت کے سلسلے میں تاریخ اسلام کے صفحات فقید المثال مسلم قائدین کے واقعات اور فاتحانہ و قائدانہ کارناموں سے پر ہیں، اس سلسلے میں اسلامی تاریخ نے امت کو ایسے ایسے سپوت دیے ہیں جن کی نصیحت آمیز داستان اور عدل وانصاف سے بھرے اسباق اگر ہم اپنے بچوں کے گوش گزار کریں تو ہم ان کی فکری و تعلیمی صلاحیت اور قائدانہ قابلیت کو اجاگر کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ایسا ہے جو اپنی ذاتی و تاریخی معرفت سے بے خبر ہے۔ نوجوانوں کی ایک غیر معمولی تعداد کا رجحان محض فلمی اداکاروں اور ڈرامے باز بحروپیوں کی طرف ہے، جن کا کام بجائے رقص و دیوانگی کے اور کچھ نہیں، لہذا اسلامی قیادت کی داغ بیل اسی وقت ممکن ہے جب فکر کے مارے ان رہزنوں سے چھٹکارا حاصل ہوگا۔

کسی بھی معاشرے میں منفی اثرات اس وقت جنم لیتے ہیں جب مثبت ذمہ داریوں سے منہ موڑ لیا جائے، کچھ ایسا ہی اسلامی تاریخ کے زوال کا قصہ ہے کہ جب تاریخ اسلام کے جیتے جاگتے رہنما اپنے مقصد کے حصول سے دستبردار ہو کر قیادت کو محض وراثت اور فنکاری کا عہدہ سمجھ بیٹھے اور خطۂ اسلامی کو ان رہزنوں کے حوالے کر دیا جو صدیوں سے اسلام دشمن رہے، یہ ان کوتاہیوں کا خمیازہ تھا جنہوں نے اسلامی شیرازہ بندی اور اتحاد کو خانہ جنگی کے گڈھے میں دھکیل دیا تھا۔

دور حاضر میں مسلم نوجوانوں میں قائدانہ ذہن کے بحران کی ایک سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انہیں اسلامی تاریخ کے ان شخصیات کی خبر ہی نہیں ہے جن کی قیادت کا لوہا دنیا آج بھی مانتی ہے، جن کی سیادت کے کارنامے آج بھی تاریخ کے اوراق پر سنہرے الفاظ میں لکھے گئے ہیں، اور جن کی عدالت کے چرچے سن کر آج بھی دنیا ان پر رشک کرتی ہے۔

اس سلسلے میں سرِ فہرست محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے، جن کی مجلس فیض سے زہد و تقویٰ کے ایسے چراغ روشن ہوئے کہ جنہوں نے نہ صرف امت کو سادگی، قناعت اور دنیا سے بے رغبتی کا درس دیا، بلکہ اسی مرکز مصطفوی سے ایسے عظیم قائدین اور فاتحین نے جنم لیا جنہوں نے زہد و تقویٰ کی چٹائیوں پر بیٹھ کر دنیا کے بڑے بڑے ایوانوں اور تخت وتاج کے مالک سلاطین کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا۔ اسی مرکز کے پروردہ اور صداقت کے پیکر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی ذاتِ گرامی ہے جنہوں نے محسن انسانیت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے انتقال کے بعد خلافت کی عظیم ذمہ داری اپنے سر لی اور اطراف میں ارتداد، مانعین زکوۃ، نبوت کا جھوٹا دعوی کرنے والے اور طوائف الملوکی جیسے ابھرتے ہوئے بڑے فتنوں کا سدباب کر کے مسلمانوں کو ایک بہت بڑے نقصان سے بچا کر ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا۔ اور اسلامی ریاست کو فاتحانہ رخ عطا کر کے زمین کا ایک غیر معمولی حصہ اسلامی خطے میں شامل کیا۔

اسی سلسلے کے ایک اور عظیم قائد جن کو دنیا عمر فاروق اعظم کے نام سے جانتی ہے، جن کی بہادری، انصاف اور رعایا کے درمیان مساوات کا یہ عالم تھا کہ ظلم و ستم اور ناانصافی کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ آپ کا زمانہ اسلامی قیادت کا وہ عظیم دور تھا جس میں عراق اور ایران میں ساسانی حکومت کو شکست ہوئی اور اسلامی ریاست وہاں بھی ظہور پذیر ہوئی، آپ کے دور خلافت میں دمشق، شام، مصر، حِمص اور ان کے علاوہ ہزاروں فتوحات دامن اسلام سے وابستہ ہوئیں، عہدِ فاروقی میں مسلمانوں کے اندر فکری و فتحیابی جولانیت عروج پر تھی۔ جب حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالی عنہ نے شہر دمشق کا محاصرہ کیا تو اس وقت شہر میں رومیوں کی تعداد غیر معمولی تھی پھر بھی انہیں آگے آنے کی جرات نہ ہو سکی، اور ایک طرف تو حضرت خالد بن ولید نے اہل دمشق کو مصالحت پر مجبور کر دیا تو دوسری طرف حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالی عنہ نے بزور شمشیر دمشق کو فتح کر لیا۔ جب فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنا مورچہ مصر کی طرف سنبھالا، اور شاہ مصر سے مقابلہ ہوا تو مسلمان اس ہمت اور بہادری سے غالب آئے کہ شاہ مصر اپنی فوج سمیت بھاگ کر اسکندریہ میں چھپ گیا لیکن مسلمانوں کا جذبہ اس قدر بے پایاں تھا کہ صرف تین مہینے کی قلیل مدت میں انہوں نے اسکندریہ فتح کر لیا اور شاہ اسکندریہ اس کی تاب نہ لا کر صلح کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

یہاں پر فتح بیت المقدس کا واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایسا جلیل القدر خلیفہ جو اپنے گھوڑوں کے ٹاپوں تلے قیصر و کسری کی حکومت اور تخت وتاج کو روند چکا تھا، جب فتح فلسطین کا قصد کیا تو اس سفر میں اس مرد مجاہد کی سادگی اور جفاکشی کو دنیا دیکھ کر حیران رہ گئی کہ کبھی اونٹ کا مہار غلام پکڑتا اور خلیفہ اونٹ پر سوار ہوتا تو کبھی خلیفہ اونٹ کا مہار پکڑتا اور غلام اونٹ پر سوار ہوتا، یہ وہ وقت تھا جب وہ مرد قلندر سینکڑوں فتوحات اپنے نام کر چکے تھا پھر بھی سادگی اور عجز وانکسار کا یہ عالم تھا کہ آج بھی تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

تاریخ اسلام کے ان روح رواں قائدین نے بہادری اور قیادت جیسے اعلی صفات کو صرف اپنی ذات تک محدود نہ رکھا بلکہ محسن انسانیت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس میں ہر فرد کی تربیت اور ذہن سازی کی جا سکے۔ الغرض قیادت کا سلسلہ یوں ہی چلتا رہا حتی کہ ایک عظیم سپہ سالار قتیبہ بن مسلم الباہلی کی تقرری ہوئی جو وسط ایشیا کا ایک عظیم فاتح بن کر نمودار ہوا، اس عقابِ خراسان نے ایشیا میں فتوحات کے ایسے جلوے بکھیرے کہ اسلامی لشکر کی للکار چین تک پہنچ گئی اور بادشاہ چین مرعوب ہو کر صلح پر آمادہ ہو گیا۔

اسی سلسلے کا ایک اور نوخاستہ مجاہد نمودار ہوا جس کو دنیا محمد بن قاسم کے نام سے جانتی ہے جس نے صرف 17 سال کی عمر میں قیادت کی ایسی لازوال مثال پیش کی جو دور جدید کے ہزاروں مصنوعی قائدین پر بھاری ہے۔ اس نوخیز بہادر نے فتح سندھ کے بعد وہاں کے باشندگان سے اس قدر اخلاقی مظاہرہ کیا جو شفقت، رحم دلی، اور رعایا پروری کے باب میں اپنی مثال آپ ہے اس نوجوان فتح مند نے جس رواداری، بردباری، سیر چشمی اور لطف و عطا کا اظہار کیا اس کی مثالیں تاریخ عالم میں بہت کم دستیاب ہو سکتی ہیں۔

اس سلسلے کے دو مرد مجاہد اور ہیں جنہوں نے افریقہ اور مغرب میں اسلامی پرچم کو سربلند کیا، جن میں سے ایک موسیٰ بن نصیر ہے جس کا رقبۂ قیادت شمالی افریقہ میں مصر سے لے کر مراکش تک پھیلا ہوا تھا۔ اس مجاہد کی بہادری کا چرچہ اس قدر مشہور تھا کہ اندلس کی رعایا نے عیسائیت کے ظلم وستم بھرے ریاست کو مسمار کرنے اور ان کے ہتھکنڈے سے جان چھڑانے کے لیے موسیٰ بن نصیر کے پاس اندلس پر چڑھائی کی درخواست پیش کر دی، جس پر اس نے اپنے آزاد کردہ غلام طارق بن زیاد کو اندلس کی طرف چڑھائی کرنے کا حکم دیا، جس نے صرف 7 ہزار کے قلیل مجاہدین کے ساتھ بادشاہ اندلس کے ایک لاکھ لشکر کا مقابلہ کیا اور اس کی حکومت کو تاخت وتاراج کر کے پوری عیسائیت کو لرزہ بر اندام کر دیا۔ فتح اندلس کے بعد اس نے رفتہ رفتہ یورپ کے کئی علاقے اور جزیرے فتح کر لیے اور یورپ کا رخ کیا، لیکن حکومت کی بالادستی نے اسے روک لیا اور افریقہ لوٹ گیا۔ لیکن یہ بات بعید نہیں تھی کہ فتح اسپین کے بعد مجاہدین اسلام میں جس قدر جوش و ولولہ تھا، اگر وہ یورپ کا رخ کر لیتے تو تمام براعظم یورپ کو اسلامی خطے میں داخل کر لیتے۔

اس مضمون کا مقصد معاشرے کو یہ باور کرانا ہے کہ دور حاضر میں تعلیمی لیاقت اور صلاحیت کے ساتھ ساتھ معاشرے کو ایک بہتر رخ دینے کے لیے ایک منصف قائد کا ہونا ناگزیر ہے۔ آج بھی معاشرے میں ایک بڑی کمی دیکھی جاتی ہے کہ بہت سے والدین اپنے بچوں کو فضول قصے کہانیاں سناتے ہیں جبکہ ہونا یہ چاہیے کہ تاریخ اسلام کے سنہرے واقعات، عدل و انصاف اور حکمت سے لبریز داستان ان کے گوش گزار کریں تاکہ ان کی فکر میں بالیدگی، نظر میں وسعت اور قلم میں طاقت پیدا ہو۔

نیاز احمد

البرکات علی گڑھ

مرکزی درسگاہ دارالعلوم اہلسنت تنویر الاسلام امرڈوبھا میں تکمیل حفظ قرآن کی پُرنور تقریب

ناظم اعلی محمد احمد انصاری کی انتظامی صلاحیت کی شرکاء نے تعریف کی

سنت کبیر نگر (اخلاق احمد نظامی)

نیپال اردو ٹائمز

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب ہے جو انسانیت کے لیے سرچشمۂ ہدایت اور اہل ایمان کے لیے سرمایۂ سعادت ہے۔ اس کی تلاوت، اس کا حفظ اور اس کی تعلیم و تعلم ایسے عظیم اعمال ہیں جن کی فضیلت سے اسلامی تاریخ روشن ہے۔ حفظ قرآن فقط آیات کو یاد کر لینے کا نام نہیں بلکہ یہ کلام الٰہی کی حفاظت، اس سے قلبی وابستگی اور زندگی کو تعلیمات قرآنی کے سانچے میں ڈھالنے کی سعادت ہے

اسی مبارک سلسلے کی ایک قابل مسرت تقریب مرکزی درسگاہ دارالعلوم اہل تنویر الاسلام امرڈوبھا شہر پنچایت بکھرا بازار ضلع سنت کبیر نگر میں منعقد ہوئی۔ اس موقع پر حافظ و قاری محمد زبیر سبحانی صاحب کی درسگاہ کے تین بچوں نے تکمیل حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی۔

تکمیل حفظ کرنے والے طلبہ میں حافظ نورالدین، حافظ محمد حفیظ اور حافظ محمد سلیم کے اسماء شامل ہیں

یہ بچے دارالعلوم ہذا کے پرنسپل مولانا محمد مکرم مصباحی صاحب، مولانا شبیر احمد اشرفی خلیفہ حضور اجمل العلماء کچھوچھہ شریف، حافظ و قاری محمد زبیر سبحانی صاحب، قاری غلام محی الدین سبحانی صاحب، قاری عتیق الرحمان نظامی صاحب اور دارالعلوم کے تمام اساتذہ کرام کے سامنے اپنا حفظ مکمل کر کے اس سعادت سے سرفراز ہوئے۔

اس موقع پر ایک اعزازی پروگرام کا انعقاد کیا گیا

جس میں مولانا محمد مکرم مصباحی صاحب پرنسپل دارالعلوم ہذا نے کہا کہ یہ لمحہ ہمارے ادارے کے لیے انتہائی مسرت اور شکر کا لمحہ ہے۔ آج ہمارے تین بچوں حافظ نورالدین، حافظ محمد حفیظ اور حافظ محمد سلیم نے تکمیل حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ اس نے ان بچوں کے سینوں کو اپنے کلام کے لیے منتخب فرمایا۔ حفظ قرآن ایک عظیم امانت ہے۔ قرآن کو یاد کر لینا پہلا مرحلہ ہے، اصل کام اس کی حفاظت کرنا ہے۔ حافظ قرآن کو چاہیے کہ وہ روزانہ پابندی سے دور کرے اور قرآن کے آداب کا خیال رکھے۔ کیونکہ جب حافظ قرآن باکردار بنے گا تو معاشرے میں قرآن کی روشنی پھیلے گی۔ میں ان تینوں بچوں کو، ان کے والدین کو اور ان کے استاذ قاری محمد زبیر سبحانی صاحب کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ ان کے حفظ میں برکت عطا فرمائے مولانا شبیر احمد اشرفی صاحب خلیفہ حضور اجمل العلماء کچھوچھہ شریف نے کہا کہ حافظ قرآن بننا اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سے سب سے بڑا انعام ہے۔ قیامت کے دن حافظ قرآن کے والدین کو نور کا تاج پہنایا جائے گا۔ آج جن تین بچوں نے تکمیل کی ہے وہ اس اعزاز کے مستحق بنے ہیں۔ یہ بچے اب حامل قرآن کہلائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن سینے میں ہو تو دنیا کی کوئی طاقت اسے نکال نہیں سکتی۔ اس لیے اس دولت کی قدر کیجئے۔ میرے عزیزو، حفظ کے بعد بھول جانا بہت بڑی محرومی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کو ہمیشہ تازہ رکھا جائے، اساتذہ کا ادب کیا جائے، اور قرآن پر عمل کیا جائے۔ قرآن صرف تلاوت کے لیے نہیں بلکہ عمل کے لیے نازل ہوا ہے۔ اگر ہماری زندگی قرآن کے مطابق ہو جائے تو دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں۔ میں دارالعلوم اہل تنویر الاسلام کے اساتذہ کی محنت کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ وہ دور دراز کے بچوں کو قرآن کی نعمت سے آراستہ کر رہے ہیں۔ اللہ اس گلشن کو ہمیشہ آباد رکھے۔

پروگرام کے آخر میں مولانا مفتی احمد رضا مصباحی صاحب نے دعا کرائی۔ حضرت نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان تینوں حفاظ کرام کی اس مبارک کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائے، ان کے حفظ کو مزید پختگی بخشے، انہیں قرآن پر عمل کرنے اور اس کی تعلیمات کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ان کے والدین اور اساتذہ کی محنتوں کو قبول فرمائے اور دارالعلوم اہل تنویر الاسلام کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

اس پُرنور تقریب میں مینیجر محمد احمد انصاری صاحب، پرنسپل مولانا محمد مکرم مصباحی صاحب، مفتی احمد رضا مصباحی صاحب، قاری غلام محی الدین قادری صاحب، قاری عتیق الرحمن نظامی صاحب، مولانا محمد تحسین صاحب، مولانا عبدالکریم صاحب، مولانا حبیب الرحمن صاحب، مولانا محمد ارشد صاحب، ماسٹر قمر صاحب، ماسٹر محمد امین صاحب، قاری محمد احسان برکاتی صاحب اور تمام اساتذہ موجود رہے

اخیر میں شرکاء نے ناظم اعلی کی تعریف کی اور کہا کہ دارالعلوم اہلسنت تنویر الاسلام کے مینیجر عالی جناب محمد احمد انصاری صاحب ایک بہترین منتظم، مخلص خادم دین اور درد دل رکھنے والے انسان ہیں۔ آپ کی شب و روز کی محنت، حسن انتظام، اخلاص وللہیت اور دین سے بے پناہ محبت کی وجہ سے ادارہ ترقی کی راہوں پر گامزن ہے۔ آپ طلبہ کی تعلیم و تربیت، اساتذہ کی عزت و راحت اور ادارے کی ہر چھوٹی بڑی ضرورت کا بے حد خیال رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے، عمر میں برکت دے اور اس ادارے کو آپ کے زیر سایہ مزید ترقی عطا فرمائے۔

Published By: Ulama Foundation Nepal,Bhairahwa, RupandehiLumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

”صحافت سے مصنوعی ذہانت تک“

مبصر: محمد فیضان رضا قادری مصباحی

کتابیں انسانی فکر و شعور کی وہ روشن قندیلیں ہیں جن کی ضیاپاشیوں سے علم و آگہی کے راستے منور ہوتے ہیں۔ کوئی کتاب ماضی کے دریچوں سے جھانک کر تاریخ کے نقوش نمایاں کرتی ہے، کوئی حال کے مسائل کو موضوعِ بحث بناتی ہے، اور کوئی مستقبل کے امکانات و خدشات سے روشناس کراتی ہے۔ زیرِ نظر کتاب ”صحافت سے مصنوعی ذہانت تک“ بھی ایک اہم موضوع پر مشتمل ہے، جو انسانی ابلاغ کی روایت سے شروع ہو کر جدید ٹیکنالوجی کے وسیع دائرے تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ کتاب اپنے عنوان ہی سے قاری کو ایک ایسے فکری سفر کی دعوت دیتی ہے جس میں قلم کی حرمت، خبر کی صداقت، ذرائع ابلاغ کی وسعت اور مصنوعی ذہانت کے امکانات باہم مربوط دکھائی دیتے ہیں۔

عصرِ حاضر میں صحافت اور ذرائع ابلاغ کی اہمیت کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔ دنیا تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے، معلومات کی ترسیل کے ذرائع نئی شکلیں اختیار کر رہے ہیں اور ٹیکنالوجی انسانی زندگی کے تقریباً ہر شعبے پر اثرانداز ہو رہی ہے۔ ایسے حالات میں صحافت کے بنیادی اصولوں اور جدید ابلاغی ذرائع کے مثبت و منفی پہلوؤں سے واقفیت نہایت ضروری ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب ایک اہم اور بروقت موضوع کی حامل ہے۔ کتاب کے ابتدائی حصے میں صحافت کے مفہوم، اس کی تاریخ، عالمی صحافت کے ارتقا، اردو صحافت اور ہندوستان میں صحافت کے آغاز جیسے موضوعات شامل ہیں۔ اس کے ساتھ صحافت کی اقسام، صحافی کے اصول و ضوابط اور خبر کی تعریف و اقسام سے متعلق مباحث بھی زیرِ بحث آئے ہیں۔ یہ موضوعات صحافت کی بنیادی تفہیم کے لیے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

چوں کہ صحافت محض خبروں کی اشاعت یا واقعات کی اطلاع رسانی کا نام نہیں، بلکہ یہ معاشرے کے شعور کی تشکیل میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ایک ذمہ دار صحافی کا فرض ہے کہ وہ واقعات کو محض سنسنی خیز انداز میں پیش کرنے کے بجائے ان کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ خبر کی صحت، تحقیق، غیر جانب داری اور دیانت داری وہ بنیادی اصول ہیں جن پر صحافت کی ساکھ قائم رہتی ہے۔ اگر قلم حقائق سے رشتہ توڑ لے تو الفاظ اپنی معنویت کھو دیتے ہیں، اور اگر خبر تحقیق سے محروم ہو جائے تو وہ رہنمائی کے بجائے گمراہی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اردو صحافت کی تاریخ بھی برصغیر کی علمی، تہذیبی اور سماجی زندگی کا ایک اہم باب ہے۔ اس نے زبان و ادب کے فروغ، عوامی شعور کی بیداری اور مختلف معاشرتی مسائل کو اجاگر کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس تاریخ کا مطالعہ محض ماضی کی یاد دہانی نہیں، بلکہ صحافت کی موجودہ صورتِ حال کو سمجھنے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہے۔ اس لیے کتاب میں صحافت کی تاریخ اور اس کے اصولوں سے متعلق موضوعات کی شمولیت اسے علمی اعتبار سے اہم بناتی ہے۔ کتاب کا دوسرا اہم موضوع ترسیل اور ابلاغیات ہے۔ انسانی معاشرہ رابطے اور تبادلۂ خیال کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ انسان اپنے خیالات، احساسات اور تجربات دوسروں تک پہنچانے کے لیے زبان، تحریر، اشاروں اور مختلف ذرائع کا استعمال کرتا ہے۔ اسی عمل کو ترسیل کہا جاتا ہے، جو انسانی تعلقات، معاشرتی نظام اور ثقافتی ارتقا میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ترسیل کی تاریخ، کمیونیکیشن کی مختلف اقسام، زبان اور بولی جیسے موضوعات اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ ابلاغ ایک وسیع اور ہمہ جہت عمل ہے۔ اس میں صرف پیغام بھیجنا کافی نہیں، بلکہ پیغام کا درست مفہوم میں سمجھا جانا بھی ضروری ہے۔ مؤثر ترسیل وہی ہے جس میں اظہار کی وضاحت، مقصد کی درستی اور مخاطب کی تفہیم کو اہمیت حاصل ہو۔ جدید دور میں نیو میڈیا اور سوشل میڈیا نے ابلاغ کی دنیا میں غیر معمولی تبدیلی پیدا کی ہے۔ روایتی ذرائع ابلاغ میں معلومات کی اشاعت عموماً مخصوص اداروں کے ذریعے ہوتی تھی، لیکن ڈیجیٹل ذرائع نے عام افراد کو بھی اظہارِ خیال اور معلومات کی اشاعت کے وسیع مواقع فراہم کر دیے ہیں۔ اب ایک شخص اپنے خیالات، تجربات اور معلومات کو چند لمحوں میں ہزاروں افراد تک پہنچا سکتا ہے۔ تعلیم، تجارت، سماجی رابطوں اور عوامی مسائل کی نشان دہی میں ان ذرائع نے نئی سہولتیں پیدا کی ہیں۔ سوشل میڈیا کا مثبت پہلو یہ ہے کہ اس نے معلومات تک رسائی آسان بنائی، عوامی مسائل پر گفتگو کے مواقع پیدا کیے اور اظہارِ خیال کے لیے ایک وسیع میدان فراہم کیا۔ لیکن اس کے ساتھ کئی سنگین مسائل بھی سامنے آئے ہیں۔ غیر مصدقہ خبریں، سنسنی خیزی، سائبر جرائم، نجی زندگی میں مداخلت اور نفرت انگیز مواد کا پھیلاؤ ایسے چیلنجز ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ سوشل میڈیا پر کسی خبر کا مقبول ہو جانا اس کی سچائی کی دلیل نہیں، اور نہ ہی کسی اطلاع کا تیزی سے پھیل جانا اس کے مستند ہونے کی ضمانت ہے۔ اسی لیے موجودہ دور میں میڈیا سے واقفیت کے ساتھ اس کے ذمہ دارانہ استعمال کی تربیت بھی ضروری ہے۔ کتاب میں سوشل میڈیا کی تعریف، اقسام، فوائد و نقصانات اور اس کے سماجی، سیاسی و معاشی اثرات جیسے موضوعات کی شمولیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ جدید ابلاغ کو اس کے تمام پہلوؤں کے ساتھ سمجھنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ کتاب کا ایک اہم موضوع مصنوعی ذہانت ہے، جو عصرِ حاضر کی سائنسی اور تکنیکی ترقی کا نمایاں مظہر ہے۔ مصنوعی ذہانت پر مبنی نظام معلومات کے تجزیے، زبانوں کے ترجمے، تحریر کی تیاری اور متعدد دوسرے کاموں میں مدد فراہم کر رہے ہیں۔ صحافت کے میدان میں بھی ان کے ذریعے معلومات کی درجہ بندی، اعداد و شمار کے تجزیے اور بعض تحریری کاموں کو تیز تر بنانا ممکن ہوا ہے۔ تاہم ہر نئی ٹیکنالوجی کی طرح مصنوعی ذہانت بھی اپنے ساتھ امکانات کے علاوہ کئی سوالات اور خدشات رکھتی ہے۔ کیا مشینی نظام ہمیشہ درست معلومات فراہم کر سکتے ہیں؟ کیا ان کے تیار کردہ مواد پر تحقیق اور تصدیق کے بغیر اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ کیا ٹیکنالوجی انسانی بصیرت، اخلاقی شعور اور ذمہ داری کی مکمل جگہ لے سکتی ہے؟ یہ سوالات نہ صرف صحافت بلکہ تعلیم، تحقیق اور انسانی زندگی کے دیگر شعبوں کے لیے بھی اہم ہیں۔ طلبہ اور نو آموز لکھنے والوں کے لیے بھی یہ موضوع خاص اہمیت رکھتا ہے۔ انہیں ٹیکنالوجی سے استفادہ کرنے کے ساتھ اپنی تخلیقی صلاحیت، مطالعے کی عادت اور آزادانہ غور و فکر کو برقرار رکھنا چاہیے۔ علم کی حقیقی قدر محض معلومات حاصل کرنے میں نہیں، بلکہ انہیں سمجھنے، پرکھنے اور درست نتیجے تک پہنچنے میں ہے۔ کتاب میں صحافت کی بنیادی تعلیم سے آغاز کرتے ہوئے ترسیل، نیو میڈیا، سوشل میڈیا اور مصنوعی ذہانت تک پہنچنا قاری کو ابلاغی دنیا کی بدلتی ہوئی صورتِ حال کا وسیع تصور فراہم کرنا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب صحافت و ابلاغیات کے طلبہ، اساتذہ اور جدید ٹیکنالوجی میں دل چسپی رکھنے والے قارئین کے لیے مفید ثابت ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ بہر حال، کتاب کا موضوع اپنی اہمیت کے اعتبار سے قابلِ توجہ ہے۔ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے واقف رہنا ضروری ہے، لیکن اس کے ساتھ سچائی، تحقیق اور اخلاقی ذمہ داری جیسی بنیادی اقدار کو برقرار رکھنا بھی اتنا ہی اہم ہے۔ ساتھ ہی عرض کروں کہ اس کتاب کے مؤلف ہمارے عزیز ساتھی مولانا محمد ارشد القادری مصباحی ہیں۔ جو ابھی جامعہ اشرفیہ میں زیر تعلیم اور ہمارے ہم جماعتی ہیں۔ واقعی ایک طالب علم کی حیثیت سے ان کا اس اہم اور عصری موضوع پر قلم اٹھانا قابلِ تحسین ہے۔ عموماً طالب علمی کا زمانہ علم حاصل کرنے، مطالعے کی عادت پختہ کرنے اور اپنی صلاحیتوں کو نکھارنے کا دور ہوتا ہے؛ ایسے میں صحافت اور مصنوعی ذہانت جیسے وسیع موضوع کو تصنیف کا محور بنانا ان کی علمی دل چسپی اور آگے بڑھنے کے جذبے کی نشان دہی کرتا ہے۔ میرے لیے یہ بات باعثِ مسرت ہے کہ میرے ہم جماعت نے ایک ایسے موضوع پر توجہ دی ہے جس کا تعلق نہ صرف صحافت و ابلاغیات سے ہے، بلکہ آج کے تعلیمی، سماجی اور تکنیکی ماحول سے بھی ہے۔ امید ہے کہ یہ علمی کوشش ان کے لیے مزید مطالعے، تحقیق اور تصنیفی سفر میں پیش رفت کا ذریعہ بنے گی۔ اللہ اس کتاب کو صرف قبولیت فرمائے اور طلبا و اساتذہ کے لیے مطالعے کا ذوق پیدا کرے۔

تربیت کا فقدان اور نسلِ نو کی تخریب کاری

جہانِ خاکی میں مختلف النوع انسان بستے ہیں، جہاں ایک دوسرے سے مختلف امور میں تبادلۂ خیال ہوتا ہے، باہمی افہام و تفہیم کا سلسلہ چلتا ہے اور مشاورتی نشستیں بھی ہوا کرتی ہیں۔ جو معمہ مشکل طلب ہوتا ہے، اسے زیرِ غور لا کر کسی ایک معین مشورے پر فیصلہ صادر کیا جاتا ہے۔ ایک گاؤں میں کچھ اسی طرح کی کیفیت تھی کہ ہر معاملے کو لے کر مجالس منعقد ہوتی تھیں اور آپسی رائے سے کسی ایک بات پر متفق ہو کر، اسی کی پورے گاؤں میں تشہیر کر دی جاتی تھی۔ ابھی ماحول ٹھیک ٹھاک اور فضا خوشگوار تھی؛ یہ زہر کی طرح پھیلنے والی فضا نہ تھی، بلکہ سبھی لوگ آپسی بھائی چارے، مودت اور محبت کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ جو رنجشیں کسی شخص کی طرف سے پہنچتی تھیں، انہیں در گزر کر دیا کرتے تھے اور ان پر کان نہیں دھرے جاتے تھے۔

پھر ایک دن، یہ چراغِ سحر جو فروزاں تھا، ناگاہ سرد پڑ گیا اور شبِ دیجور ختم ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ افقِ عالم پر ایسا آفتاب نمودار ہوا جس نے آج ضیا پاشی کے بجائے نفرتوں کی تخم ریزی کی۔ ظاہری طور پر اس کی درخشانی سے ایک طبقے نے خوشحالی اور خوشگوار تعلقات استوار کر رکھے تھے، مگر دوسرا طبقہ ایسا تھا جس کی آنکھوں میں یہ منظر خار بن کر چبھ رہا تھا اور ان کے لیے اس دن روشنی کے بجائے سیاہی کا احساس ہو رہا تھا۔ اسی اثنا میں جب نسلِ نو عنفوانِ شباب کو پہنچی، تو ان لوگوں نے جو افعال کیے اور جس قسم کا رویہ اپنے بڑوں کے ساتھ روا رکھا، وہ ناگوار تو تھا ہی، معیوب بھی تھا۔ ان نوجوانوں نے معاشرے کی ہر نوع کی فرحت و شادمانی کا استیصال کر دیا اور اس کی جگہ اس رذالت اور سفالت نے لے لی جس نے پوری خوشگواری کا لباس تبدیل کر کے نفرتوں کے بیج بو دیے۔ انہوں نے پچھلے بہتر حالات کو چند ساعتوں میں اس طرح تہس نہس کر دیا گویا ان کا وجود تھا ہی نہیں۔ آباؤاجداد کا جو ورثہ بطور میراث ملا تھا، اسے تلوؤں سے روند ڈالا اور اس کی پامالی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جن قبیح افعال پر قدغن لگائی گئی تھی، اور جس جرم کے ارتکاب پر سخت سزائیں مقرر کی گئی تھیں، یہاں تک کہ جو مکان مشاورت کے لیے تعمیر کیا گیا تھا؛ نسلِ نو نے اسے جس بے رحمی کے ساتھ منہدم کیا، اس نے بزرگوں کی دی ہوئی عزتوں کو تار تار کر دیا۔ انہوں نے بزرگوں کی کمائی ہوئی عفت کو شنیع کاموں میں بدل ڈالا۔ بزرگوں نے جس طرح اپنے اوقات کی حفاظت کی تھی، اپنے ایک ایک لمحے کو تعمیری کاموں میں مصروف رکھا تھا، زندگی کو خدمت خلق میں وقف کیا تھا اور گھریلو ذمہ داریاں نبھائی تھیں؛ آج کی نسل نے آتے ہی اس روشن نام کو سمندر کی اتھاہ گہرائیوں میں غرقاب کر دیا۔ وہ ان تمام صلاحیتوں سے عاری ہو گئے جن کے وہ مالک ہو سکتے تھے اور لہو و لعب، شہواتِ نفسانی اور وسوسہ ہائے شیطانی کے خوگر ہو گئے۔ یہ سب ہوتا کیوں ہے؟ جب ہم اس پر سوال قائم کرتے ہیں، تو کئی ایک جواب ہمارے ذہنوں میں ابھرتے ہیں، مگر جو جواب زیادہ نمایاں ہوتا ہے، وہ ہے تربیت کی کمی۔ ان نوجوانوں کی ہر حرکت کو، خواہ وہ کسی بھی درجے کی ہو، نظرانداز کرنا اور وہ جن شنیع امور کو انجام دیں، ان پر ان کی حوصلہ افزائی کرنا اس بگاڑ کی اصل وجہ ہے۔ والدین کی ہر ادا کو بچے نوٹ کرتے ہیں اور جس نہج پر والدین ہوتے ہیں، قریب قریب بچہ اسی راستے پر چل پڑتا ہے۔ اگر والدین نے بچے کی اصلاح بچپن میں نہیں کی جس عمر میں ذہن بالکل صاف و شفاف ہوتا ہے تو آگے چل کر انجام خطرناک ہو سکتا ہے اور اس کی سزا دیر سویر بھگتنا پڑتی ہے۔ اس کے برعکس، اگر بچے کی غلط حرکت و عمل پر تنبیہ کی جائے، اس کی اصلاح کرتے ہوئے اسے سمجھایا جائے کہ ایسے کرو گے تو یہ فائدہ ملے گا اور ایسا کرنے سے یہ نقصان ہوگا، تو بچہ اپنے والدین کا روشن پر تو ثابت ہوتا ہے۔ بصورتِ دیگر، برے ثمرات کی شکل میں اولاد سامنے آتی ہے۔

ارشاد احمد ۱۶ جمادی الاولی ۱۴۴۸ھ 28 اکتوبر 2026ء

جواں فکر عالم دین مولانا نور محمد نظامی مظہری

لمبنی پردیش پریس ریلیز
نیپال اردو ٹائمز روپندیہی نیپال

علما فاونڈیشن روپندیہی کے سابق صدر حضرت علامہ نور محمد نظامی صاحب قبلہ کی روپندیہی میں دورہ ہوا جہاں انہوں نے علاقائی علمائے کرام سے ملاقات کر کے حالات حاضرہ پر سیر حاصل گفتگو فرمائی اور دیگر ضروری چیزوں کی طرف نشاندہی کی حضرت مولانا نور محمد نظامی نہایت ہی متحرک و فعال عالم دین ہیں، جواں فکر کے حامل اور مخلص العلما والعوام ہیں۔

آپ کی صدارت میں علمائے کرام کی دعوت ہمیشہ ہوتی رہتی ہے

اللہ کریم مولانا نور محمد نظامی صاحب کے علم و عمل میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے۔

امت کا اجتماعی زوال فکر اقبال کی روشنی میں (قسط اول)

قسط اول

ازقلم:::-- محمد مجتبیٰ رضا خان احسنی بنارس
اسلامک موٹیویشنل اسپیکر

تاریخ اسلام میں بے شمار لوگ ہوئے ہیں جو غیر معمولی صلاحیت کے مالک تھے، اور انہوں نے اپنی شان و شوکت اور علمی جاہ و حشمت سے تاریخ میں انقلاب برپا کر کے ایک ایسا نشان چھوڑا ہے جو رہتی دنیا تک مٹ نہیں سکتی۔

انہیں عظیم ہستیوں میں ایک نام برصغیر کے عظیم مفکر شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال کا ہے جنہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو ان کی عظمتِ رفتہ یاد دلائی، ان کے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کی اور انہیں علم و عمل، آپسی اتحاد اور کردار کی اہمیت سمجھائی۔ ڈاکٹر اقبال مسلمانوں کے زوال کو محض سیاسی یا معاشی مسئلہ نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ اس کے پیچھے فکری جمود، کمزور کردار، عمل سے دوری اور نسیانِ مقصدِ حیات کو بھی اہم اسباب قرار دیتے تھے۔

کیونکہ موجودہ دور میں جب ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ایک طرف علم و عمل، تہذیب و ثقافت اور ترقی کے روشن باب نظر آتے ہیں، تو دوسری طرف سیاسی انتشار، علمی کمزوری، آپسی اختلافات اور اجتماعی پسماندگی کے ایسے ادوار بھی دکھائی دیتے ہیں کہ آنکھوں سے آنسوؤں کا امنڈتا ہوا سیلاب نکل پڑتا ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال نے مسلمانوں کی اس صورتِ حال کا کافی گہرا مطالعہ کیا، اور اسباب تنزلی کو تلاش کر کے امت مسلمہ کی حفاظت و صیانت کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اپنے زبان و بیان بالخصوص اپنے اشعار کے ذریعے اہل مغرب کی چالبازی اور مکاری سے مسلمانوں نہ صرف آگاہ کیا بلکہ انہیں ایک ایسی فکری دعوت دی جو مسلمانوں کو اپنی کمزوریوں کا جائزہ لینے، اپنی صلاحیتوں کو پہچاننے اور عمل کی طرف لوٹنے کا پیغام دیتی ہے۔

اقبال کی شاعری کا مقصد صرف ماضی کی عظمت کو بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں کو اپنے حال کا جائزہ لینے اور مستقبل کی تعمیر کے لیے آمادہ کرنا ہے۔ ان کے کلام میں بار بار یہ پیغام ملتا ہے کہ قومیں محض دعووں، نعروں اور اپنے شاندار ماضی پر فخر کرنے سے ترقی نہیں کرتیں؛ بلکہ ترقی کے لیے طلب صادق اور جہد مسلسل ضروری ہے۔

مسلمانوں کی اجتماعی پسماندگی کے اسباب جو ڈاکٹر اقبال کے کلام سے ہمیں ملتے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

1۔ خودی سے غفلت اور خود اعتمادی کا فقدان۔

اقبال کے فلسفے کا بنیادی تصور ”خودی“ ہے۔ خودی سے مراد غرور یا دوسروں کو حقیر سمجھنا نہیں، بلکہ اپنی شخصیت کو ایمان، علم، اخلاق، محنت اور بلند مقصد کے ذریعے مضبوط بنانا ہے۔ اقبال چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی صلاحیتوں کو پہچانیں، ذہنی غلامی سے نکلیں اور اپنی زندگی کے فیصلے شعور و اعتماد کے ساتھ کریں۔

جب کوئی قوم اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کھو دیتی ہے تو وہ دوسروں کی محتاج بننے لگتی ہے۔ وہ اپنے مسائل کے حل کے لیے اپنی قوت استعمال کرنے کے بجائے ہمیشہ دوسروں کی طرف دیکھتی ہے۔ اس کے برعکس خود اعتمادی رکھنے والی قوم مشکلات میں گھر کر بھی اپنے لیے نئے روشن راستے تلاش کر لیتی ہے۔

اقبال کا مشہور شعر ہے:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے
خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے

یہ شعر انسان کو اپنی شخصیت کی تعمیر، بلند حوصلے اور مسلسل جدوجہد کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کا مطلب تقدیر سے آزادی کا دعویٰ نہیں، بلکہ یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کو اس درجے تک پروان چڑھائے کہ اس کی زندگی باشعور، ذمہ داریوں سے لبریز اور عملی مثال بن جائے۔

مسلمانوں کے زوال کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کے بجائے حالات کا رونا رو کر دوسروں کی سازشوں اور زمانے کی خرابیوں کو ہر مسئلے کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ یقیناً بیرونی معاملات بھی قوموں پر کافی اثرانداز ہوتے ہیں، لیکن اپنی کمزوریوں کا جائزہ لیے بغیر ترقی کی راہ ہموار نہیں ہو سکتی۔

2۔ علم و تحقیق سے دوری۔

کسی بھی قوم کی ترقی میں علم بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ جب قومیں تعلیم و تعلم، تحقیق و جستجو، کو اہمیت دیتی ہیں تو وہ نئے مسائل کا حل تلاش کر کے دنیا میں اپنا مقام بناتی ہیں۔ اس کے برعکس جب علم صرف امتحان پاس کرنے یا سند حاصل کرنے تک محدود ہو جائے تو تعلیم اپنے اصل مقصد سے دور ہو جاتی ہے۔

اسی لیے اقبال نوجوانوں کو بلند ہمت اور حوصلہ افزائی کے ساتھ مسلسل آگے بڑھنے کا پیغام دیتے ہوئے کہتے ہیں:

توشاہیں ہے، پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

شاہین ایک بلند پرواز پرندہ ہے، جو بلند مقامات کی طرف پرواز کرتا ہے۔ اقبال اس مثال کے ذریعے امت مسلمہ کے نوجوان شاہینوں کو ان کی صلاحیتوں سے آگاہ کرتے ہوئے اس بات پر بھی زور دیا کہ وہ حصولِ علم اور تحقیق و جستجو کے میدان میں کسی سے پیچھے نہ رہیں بلکہ اپنی قوم کا ایک مفید فرد بن کر معاشرے کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے کام کریں۔

اس شعر کا تعلق مسلمانوں کے علمی زوال سے بھی ہے۔ اگر مسلمان صرف اپنے ماضی کے علمی کارناموں پر فخر کریں، اور آج تحقیق و تصنیف، ایجادات، مطالعے اور علمی سرمائے کو جمع کرنے میں پیچھے رہ جائے، اور پیدرم سلطان بود کا نعرہ لگائے تو محض تاریخی عظمت انہیں ترقی نہیں دے سکتی۔ ماضی سے سبق ضرور لینا چاہیے، مگر مستقبل کی تعمیر حال میں محنت کرنے سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے مدارس، اسکولوں، کالجوں اور جامعات میں ایسی تعلیم کو فروغ دینا ضروری ہے جو علم کے ساتھ تحقیق، تنقیدی فکر، اخلاقی تربیت اور عملی مہارت بھی پیدا کرے۔

3۔ عمل سے محرومی اور زبانی دعوے

اقبال کے نزدیک صرف علم حاصل کرنا کافی نہیں، بلکہ علم کو عمل میں تبدیل کرنا اور اپنے کردار میں ڈھالنا اشد ضروری ہے کیوں کہ علم اور عمل میں چولی دامن کا رشتہ ہے۔ مثلاً کوئی شخص صحیح بات جانتا ہو لیکن اس پر عمل نہ کرے، اس کا علم معاشرے میں مطلوبہ تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا۔ اسی لیے اقبال کہتے ہیں

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

اس شعر میں اقبال انسانی عمل کی اہمیت واضح کرتے ہیں۔ انسان کی زندگی کا رخ بڑی حد تک اس کے اعمال، فیصلوں اور اخلاقی رویوں سے متعین ہوتا ہے۔ اچھے اعمال زندگی کو بہتر بناتے ہیں، جبکہ برے اعمال فرد اور معاشرے دونوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ جب ہم مسلمانوں کے زوال کے اسباب پر غور کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہم بہت سی اچھی باتوں کی اہمیت تسلیم کرتے ہیں، لیکن ان کو عملی زندگی میں اختیار کرنے میں سستی اور کاہلی سے کام لیتے ہیں۔ ہم علم کی فضیلت بیان کرتے ہیں، مگر مطالعے کے لیے وقت نہیں نکالتے، اتحاد کی بات کرتے ہیں، مگر معمولی اختلافات پر ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں، دیانت داری کی تعریف کرتے ہیں، مگر معاملات میں اس کا خیال نہیں رکھتے۔ تو یہ تضاد ہمارے اجتماعی کردار کو کمزور کرتا ہے۔ قوم کی اصلاح اس وقت شروع ہوتی ہے جب اس کے افراد اچھی باتوں کو محض تقریروں کا موضوع بنانے کے بجائے اپنی روزمرہ زندگی کا حصہ بناتے ہیں۔ اقبال کا پیغام یہی ہے کہ کامیابی کے لیے نیک ارادے کے ساتھ مسلسل درست عمل کرنا بھی ضروری ہے۔

جاری-------

Published By: Ulama Foundation Nepal,Bhairahwa, RupandehiLumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت!

فکری غلامی سے نجات، علمی خود کفالت اور دورِ حاضر میں امتِ مسلمہ کی قیادت کا لائحۂ عمل

از: محمد شمیم احمد نوری مصباحی
خادم: دارالعلوم انوارِ مصطفیٰ سہلاؤشریف، باڑمیر (راجستھان)

امتِ مسلمہ آج جس دور سے گزر رہی ہے، وہ محض سیاسی انتشار، معاشی کمزوری یا سماجی پسماندگی کا معاملہ نہیں، بلکہ ایک گہرے فکری، تہذیبی اور اخلاقی بحران کی نشان دہی کرتا ہے۔ دنیا کے مختلف خطوں میں مسلمان جنگ، ظلم، بے گھری، تعلیمی پسماندگی اور معاشی ناہمواری سے دوچار ہیں۔ کہیں ان کے حقوق پامال ہو رہے ہیں، کہیں نئی نسل شناخت کے بحران میں مبتلا ہے اور کہیں صلاحیتیں مناسب مواقع نہ ملنے کے باعث ضائع ہو رہی ہیں۔

اس صورتِ حال کا ایک افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ہم کبھی اپنی ناکامیوں کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہراتے ہیں اور کبھی تقدیر کے حوالے کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ ماضی کی عظمت پر فخر تو کرتے ہیں، لیکن حال کی تعمیر کے لیے درکار محنت سے جی چراتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ جس امت کو علم، عدل، امانت، اخلاق اور انسانیت کی رہنمائی کا پیغام دے کر دنیا میں بھیجا گیا، وہ آج فکری انتشار اور علمی کمزوری کا شکار کیوں ہے؟ یہ سوال احساسِ کمتری پیدا کرنے کے لیے نہیں، بلکہ احساسِ ذمہ داری بیدار کرنے کے لیے ہے؛ کیوں کہ زوال کا اعتراف اگر اصلاح کی بنیاد بن جائے تو عروج کی پہلی سیڑھی ثابت ہو سکتا ہے۔

دوسروں کی ترقی سے مرعوبیت اور اپنی صلاحیتوں سے غفلت:

موجودہ دور سائنس، ٹیکنالوجی، مصنوعی ذہانت، جدید تحقیق اور معاشی منصوبہ بندی کا دور ہے۔ آج قوموں کی قوت کا تعین صرف آبادی، رقبے اور قدرتی وسائل سے نہیں، بلکہ علمی معیار، فکری آزادی، مضبوط اداروں اور معاشی خود کفالت سے بھی ہوتا ہے۔

افسوس کہ ہمارے معاشرے کے بعض طبقات نے جدید ترقی سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس سے مرعوب ہونا سیکھ لیا ہے۔ وہ ترقی یافتہ قوموں کے ہر نظریے اور ہر طرزِ زندگی کو قابلِ تقلید سمجھتے ہیں، حالاں کہ جدید علوم و فنون سے استفادہ کرنا اور کسی قوم کے تمام تہذیبی تصورات کو بلا تنقید اپنا لینا دو الگ الگ باتیں ہیں۔

اسلام علم، تحقیق اور غور و فکر کی راہ میں رکاوٹ نہیں، بلکہ جستجوئے حق اور صلاحیتوں کے مثبت استعمال کی دعوت دیتا ہے۔ اس لیے ہمیں جدید علوم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی دینی شناخت اور اخلاقی اقدار کی حفاظت کرنی چاہیے۔ حقیقی ترقی اپنی شناخت سے دست برداری نہیں، بلکہ اپنی شناخت پر قائم رہتے ہوئے زمانے کے مفید علوم و وسائل سے آراستہ ہونے کا نام ہے۔

مذہبی وابستگی، فکری کمزوری اور شکست خوردہ ذہنیت:

ہمارے معاشرے میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو اسلام سے قلبی وابستگی تو رکھتا ہے، مگر جدید زندگی کے مسائل میں اسلامی تعلیمات کو ناکافی سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے نزدیک اسلام انفرادی عبادات اور چند مذہبی رسوم تک محدود ہے، جب کہ تعلیم، معیشت اور اجتماعی زندگی کی رہنمائی میں اس کا کردار محدود سمجھا جاتا ہے۔ یہ تصور اسلام کے جامع پیغام کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔ اسلام عبادت کے ساتھ عدل، امانت، دیانت، حقوق العباد اور انسانی خدمت کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ البتہ ان تعلیمات کو اجتماعی زندگی میں مؤثر بنانے کے لیے فقط جذبات نہیں، بلکہ صحیح علم، حکمت، مشاورت، ادارہ سازی اور مسلسل محنت بھی ضروری ہے۔ اگر ہمارے تعلیمی ادارے تحقیق میں پیچھے، کاروبار دیانت سے محروم اور معاملات انصاف کے بجائے ذاتی مفادات کے تابع ہوں تو اسلامی تعلیمات کی برتری کے دعوے مؤثر نہیں ہو سکتے۔ اسلام کی سربلندی کا تقاضا ہے کہ ہمارا کردار اس کی حقانیت، رحمت اور اخلاقی عظمت کا عملی گواہ بنے۔

زوال کی ایک بڑی علامت یہ بھی ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کھو بیٹھے اور دوسروں کی قوت کو ناقابلِ تسخیر سمجھنے لگے۔ حقیقی خود اعتمادی بلند بانگ دعووں سے نہیں، بلکہ اپنی کمزوریوں کے اعتراف، غلطیوں سے سیکھنے اور مسلسل محنت سے پیدا ہوتی ہے۔ امتِ مسلمہ میں علم، تحقیق، تجارت، صنعت، ٹیکنالوجی اور قیادت کے میدانوں میں آگے بڑھنے کی صلاحیت موجود ہے؛ ضرورت معیاری تعلیم، مضبوط اداروں اور منظم کوششوں کی ہے۔

حالات سے فرار نہیں، ان کی اصلاح:

بعض لوگ موجودہ دنیا کے فکری و اخلاقی انتشار سے متاثر ہو کر اپنی مذہبی وابستگی کو انفرادی عبادات تک محدود کر لیتے ہیں اور اجتماعی زندگی کی اصلاح سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ نماز، روزہ، تلاوت اور ذکر و اذکار مسلمان کی زندگی کا بنیادی سرمایہ ہیں، لیکن دین کا پیغام انفرادی اصلاح کے ساتھ اجتماعی ذمہ داریوں کو بھی اہمیت دیتا ہے۔

اگر کوئی شخص عبادت گزار ہو، مگر معاملات میں بددیانت، دینی شعائر کا پابند ہو، مگر دوسروں کے حقوق پامال کرتا ہو، تو اسے اپنی دینی زندگی کے عملی اثرات کا جائزہ لینا چاہیے۔ دین داری کا تقاضا دنیا سے فرار نہیں، بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے حق، خیر، عدل اور امانت کے ساتھ زندگی گزارنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

یہ آیت خود احتسابی، اصلاحِ احوال اور عملی جدوجہد کی اہمیت واضح کرتی ہے۔ ہمیں تعلیمی پسماندگی کا شکوہ کرنے کے ساتھ تعلیمی نظام بہتر بنانے، معاشی کمزوری پر افسوس کے ساتھ تجارت و صنعت کو فروغ دینے اور اجتماعی بے اثری پر ماتم کرنے کے بجائے اداروں میں مشاورت، شفافیت، اہلیت اور جواب دہی کو مضبوط بنانے کی کوشش کرنی ہوگی۔

باہمی انتشار: اپنی قوت کو اپنے ہاتھوں ضائع کرنا

امتِ مسلمہ کی کمزوری کا ایک اہم سبب اختلافات کا غیر صحت مند طرزِ اظہار بھی ہے۔ علمی اختلاف ہر زندہ معاشرے کا فطری حصہ ہے، لیکن جب وہ تعصب، بدگمانی، کردار کشی اور ذاتی دشمنی میں بدل جائے تو اصلاح کے بجائے فساد کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ۔

ترجمہ: اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (سورۃ الأنفال: 46)

اس قرآنی ہدایت کا تقاضا ہے کہ اختلاف کو علم، دلیل، تہذیب اور انصاف کے دائرے میں رکھا جائے۔ حق و باطل اور صحیح و غلط کا فرق مٹانا مقصود نہیں، بلکہ اختلاف کو دشمنی اور تحقیر میں بدلنے سے بچانا ضروری ہے۔

ہمیں اپنی توانائیاں باہمی مناقشوں کے بجائے تعلیمی اداروں کی تعمیر، نئی نسل کی تربیت اور سماجی خدمت پر صرف کرنی چاہییں۔ ہماری جدوجہد کا مرکز شخصیات کی مخالفت نہیں، اصولوں کی سربلندی؛ گروہی مفادات نہیں، اجتماعی خیر؛ اور باہمی کشمکش نہیں، علمی و اخلاقی تعمیر ہونا چاہیے۔

جدید دنیا میں امامت و قیادت کا حقیقی مفہوم:

شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال کے شعر میں مذکور امامت و قیادت سے مراد محض سیاسی اقتدار یا دوسروں پر غلبہ حاصل کرنا نہیں، بلکہ علمی رہنمائی، اخلاقی بلندی، عدل، انسانی حقوق کے احترام، معاشرتی خدمت اور مسائل کے مؤثر حل کی صلاحیت بھی ہے۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا، تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔ (سورۃ البقرۃ: 143)

یہ مقام محض اعزاز نہیں، بلکہ عظیم ذمہ داری ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ مسلمان اپنے عقیدے، کردار، معاملات اور اجتماعی رویّوں سے عدل و اعتدال کی گواہی دیں۔

آج دنیا کو ایسے علما کی ضرورت ہے جو دینی بصیرت کے ساتھ عصرِ حاضر کے فکری سوالات کو سمجھیں؛ ایسے اساتذہ جو نئی نسل میں علم کی محبت پیدا کریں؛ ایسے محققین جو علمی و سائنسی مسائل پر سنجیدہ کام کریں؛ ایسے تاجر جو دیانت کی مثال ہوں؛ ایسے ماہرین جو جدید ٹیکنالوجی میں مہارت رکھتے ہوں؛ اور ایسے قائدین جو ذاتی مفادات کے بجائے اجتماعی خیر کو ترجیح دیں۔

قومیں محض تعداد سے نہیں، بلکہ علم، کردار، صلاحیت اور خدمات سے دنیا میں مؤثر مقام حاصل کرتی ہیں۔

فلسطین اور عالمِ اسلام: جذبات کے ساتھ حکمت و تدبیر بھی

فلسطین کا المیہ، غزہ کی تباہی، بے گناہ شہریوں کی ہلاکتیں اور انسانی بحران امتِ مسلمہ کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کافی ہیں۔ دنیا کے مختلف خطوں میں ظلم اور انسانی حقوق کی پامالی کا شکار مسلمانوں سمیت تمام مظلوم انسان ہماری توجہ اور ہمدردی کے مستحق ہیں۔

ایسے حالات میں غم، اضطراب اور احتجاج فطری ہیں، لیکن ان جذبات کو ذمہ دارانہ عمل میں تبدیل کرنا ضروری ہے۔ مظلوموں کے لیے دعا کے ساتھ انسانی امداد، مستند معلومات کی اشاعت، قانونی و سفارتی کوششوں کی حمایت اور عالمی سطح پر انصاف کے مطالبے میں اپنا کردار ادا کیا جائے۔ افواہوں اور غیر مصدقہ خبروں سے بچتے ہوئے حقائق کی بنیاد پر بات کی جائے۔

انسانی جان کی حرمت، شہریوں کا تحفظ اور ظلم کی مخالفت کسی قوم، مذہب یا نسل کے امتیاز کے بغیر ہماری اخلاقی ترجیحات میں شامل ہونی چاہیے۔ مسلم ممالک کے حالات یکساں نہیں، تاہم علمی صلاحیت، معاشی استحکام، باہمی اعتماد اور دور اندیش قیادت اجتماعی قوت کے لیے ناگزیر ہیں۔ محض جذباتی بیانات سے تاریخ کا رخ نہیں بدلتا؛ اس کے لیے حکمت، منصوبہ بندی اور مسلسل جدوجہد ضروری ہے۔

تعلیم، معاشی خود کفالت اور جدید ٹیکنالوجی

امتِ مسلمہ کو علمی و تہذیبی اعتبار سے مؤثر کردار ادا کرنا ہے تو تعلیم کو اولین ترجیحات میں شامل کرنا ہوگا۔ تعلیم فقط ڈگریوں کے حصول کا نام نہیں، بلکہ فہم و بصیرت، تحقیق و تجزیہ، اخلاقی ذمہ داری اور مسائل حل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔

دینی مدارس کو قرآن و حدیث، فقہ، عقائد، عربی زبان اور اسلامی علوم کی مضبوط بنیادیں برقرار رکھتے ہوئے طلبہ میں ضروری عصری زبانوں، ڈیجیٹل خواندگی، بنیادی سائنسی فہم اور معاصر فکری مسائل کے مطالعے کا ذوق بھی پیدا کرنا چاہیے۔ اسی طرح عصری اداروں میں زیرِ تعلیم نوجوانوں کو دینی و اخلاقی شناخت اور تہذیبی شعور سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ دینی اور عصری تعلیم کو ایک دوسرے کا حریف بنانے کے بجائے ان کے درمیان مفید تعاون کے امکانات تلاش کیے جائیں۔

اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ:

- غریب اور مستحق طلبہ کے لیے وظائف اور تعلیمی معاونت کا منظم نظام قائم ہو۔
- دینی و عصری علوم کے ماہرین کے درمیان علمی رابطے اور مشترکہ منصوبوں کو فروغ دیا جائے۔
- مطالعے، تحقیق، تحریر، تقریر اور تنقیدی فکر کی صلاحیت پیدا کی جائے۔
- سائنس، ٹیکنالوجی اور پیشہ ورانہ علوم میں مسلمانوں کی شرکت بڑھائی جائے۔
- طالبات کی معیاری تعلیم اور محفوظ تعلیمی مواقع پر خصوصی توجہ دی جائے۔
- تعلیمی اداروں میں معیارِ تعلیم، کردار سازی اور عملی مہارتوں کو یکساں اہمیت دی جائے۔

تعلیم کے ساتھ معاشی خود کفالت بھی ضروری ہے۔ تجارت، صنعت، زراعت، ہنرمندی اور کاروباری تربیت کے ذریعے نوجوانوں کو روزگار کے نئے مواقع پیدا کرنے کی ترغیب دی جائے۔ کامیاب کاروباری افراد دوسروں کی تربیت اور روزگار کی فراہمی میں بھی کردار ادا کریں۔

مصنوعی ذہانت، سافٹ ویئر، ڈیجیٹل ابلاغ، سائبر تحفظ اور جدید زراعت جیسے شعبوں میں مہارت حاصل کی جائے۔ مسلمان صرف دوسروں کی ایجادات سے استفادہ کرنے والے نہ رہیں، بلکہ تحقیق، ایجاد اور مقامی مسائل کے حل میں بھی اپنا حصہ ڈالیں۔

معاشی ترقی کو اخلاقی ذمہ داری سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ دولت جب دیانت، انصاف اور انسانی خدمت سے وابستہ ہو تو معاشرے کی تعمیر کا ذریعہ بنتی ہے؛ لیکن جب اس کا مقصد صرف ذاتی آسائش اور نام و نمود اور نمائش رہ جائے تو وہ اجتماعی ترقی کی ضمانت نہیں بن سکتی۔

ڈیجیٹل دور اور فکری خود مختاری:

آج سوشل میڈیا نے معلومات کی ترسیل کو غیر معمولی رفتار عطا کی ہے، مگر اسی کے ساتھ جھوٹی خبریں، گمراہ کن پروپیگنڈا اور نفرت انگیز مواد بھی تیزی سے پھیلتا ہے۔ فکری خود مختاری کا تقاضا ہے کہ ہر مشہور بات کو سچ اور ہر وائرل پیغام کو معتبر نہ سمجھا جائے، بلکہ معلومات کی تحقیق، ذرائع کی جانچ اور ذمہ دارانہ اظہار کو اجتماعی عادت بنایا جائے۔

دینی معاملات میں مستند علما سے رجوع کیا جائے اور علمی و تاریخی دعووں کے لیے معتبر مآخذ دیکھے جائیں۔ ڈیجیٹل وسائل کو محض تفریح اور باہمی بحث و تکرار کے بجائے تعلیم، تحقیق، دعوت، زبان و ادب اور سماجی خدمت کے لیے استعمال کیا جائے۔ مسلمان صرف معلومات کے صارف نہ رہیں، بلکہ علم کے تخلیق کار اور مفید ڈیجیٹل مواد کے مؤثر پیش کار بھی بنیں۔ جو قوم تحقیق و تمیز کی صلاحیت کھو دیتی ہے، وہ دوسروں کے بیانیوں کی تابع ہو سکتی ہے؛ جب کہ دلیل اور حقائق کی بنیاد پر رائے قائم کرنے والی قوم فکری طور پر مضبوط ہوتی ہے۔

علما، دانش وروں اور اہلِ قلم کی ذمہ داری:

کسی قوم کی فکری تعمیر میں علما، اساتذہ، دانش وروں، اہلِ قلم اور ذرائعِ ابلاغ سے وابستہ افراد کا کردار بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ ان کی ذمہ داری صرف ماضی کے واقعات بیان کرنا نہیں، بلکہ نئی نسل کو حالات کی صحیح تفہیم، مسائل کے اسباب اور عملی حل سے بھی آگاہ کرنا ہے۔

اہلِ قلم مایوسی پھیلانے کے بجائے امید کو حقیقت پسندانہ بنیاد فراہم کریں، جذبات بھڑکانے کے بجائے شعور بیدار کریں اور محض شکایت کے بجائے اصلاح کی راہیں دکھائیں۔ علمائے کرام عصرِ حاضر کے فکری سوالات کو سنجیدگی سے سمجھیں اور نوجوانوں کے سوالات کا جواب تحقیر کے بجائے علم، حکمت اور شفقت سے دیں۔

نوجوان بزرگوں کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مطالعے، تحقیق، مشاورت اور مسلسل سیکھنے کو اپنی زندگی کا حصہ بنائیں۔ روایت اور تحقیق، علم اور تجربہ، بزرگوں کی بصیرت اور نوجوانوں کی توانائی جب ایک دوسرے کے معاون بنتے ہیں تو قوم کی فکری قیادت مضبوط ہوتی ہے۔

اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ایک قابلِ عمل لائحۂ عمل

امتِ مسلمہ کی صورتِ حال میں حقیقی بہتری کے لیے درج ذیل اقدامات کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کا حصہ بنانا ضروری ہے:

۱۔ خود احتسابی اور اصلاحِ کردار: ہر شخص اپنے اخلاق، معاملات، وقت کے استعمال اور معاشرتی رویّوں کا جائزہ لے اور جھوٹ، بددیانتی، وعدہ خلافی، ناانصافی، حسد اور تعصب کی اصلاح کرے۔

۲۔ علم کو اولین ترجیح دینا: گھر، مدرسہ، اسکول، مسجد اور سماجی اداروں میں تعلیم و مطالعے کی حوصلہ افزائی ہو اور بچوں و نوجوانوں کے لیے علمی و فنی مواقع پیدا کیے جائیں۔

۳۔ اختلاف میں تہذیب اور اتحاد میں حکمت: اختلافات کو دلیل اور احترام کے دائرے میں رکھا جائے اور مشترکہ مسائل کے حل کے لیے باہمی تعاون کو فروغ دیا جائے۔

۴۔ اداروں کو مضبوط اور شفاف بنانا: مدارس، تعلیمی تنظیموں اور رفاہی اداروں میں اہلیت، مشاورت، منصوبہ بندی، شفافیت اور جواب دہی کو بنیادی اہمیت دی جائے۔

۵۔ نوجوانوں کی صلاحیتوں کی تربیت: نوجوانوں کو فقط نصیحت نہ کی جائے، بلکہ تعلیم، ہنر، کاروبار، تحقیق اور قیادت کے عملی مواقع فراہم کیے جائیں۔

۶۔ معاشی تعاون اور سماجی خدمت: زکوٰۃ، صدقات اور رفاہی وسائل کو مستحقین تک مؤثر انداز میں پہنچانے کے ساتھ تعلیم، صحت، روزگار اور ہنرمندی کے منصوبے بنائے جائیں۔

۷۔ جدید ذرائع کا مثبت استعمال: سوشل میڈیا کو علم، تحقیق، دعوت، تربیت اور مثبت سماجی سرگرمیوں کے لیے استعمال کیا جائے اور غیر مصدقہ خبروں سے اجتناب کیا جائے۔

۸۔ چھوٹے مگر مستقل اقدامات: ہر فرد، خاندان، مسجد، مدرسہ اور ادارہ اپنی استطاعت کے مطابق ایک یا دو قابلِ پیمائش اہداف طے کرے؛ مثلاً کسی مستحق طالب علم کی تعلیم کی ذمہ داری، مطالعہ حلقے کا قیام یا نوجوانوں کے لیے فنی تربیت کا انتظام۔

یاد رکھیے! بڑی تبدیلیوں کی بنیاد اکثر چھوٹے مگر مسلسل اقدامات پر ہوتی ہے۔ قوموں کی تعمیر ایک دن میں نہیں ہوتی، لیکن ہر دن کی سنجیدہ محنت اس تعمیر میں اپنا حصہ ضرور ڈالتی ہے۔

ڈاکٹر اقبال کا پیغام اور ہماری ذمہ داری:

شاعرِ مشرق، مفکرِ قوم ڈاکٹر محمد اقبال نے مسلمانوں کے فکری زوال، تقلید پسندی اور قیادت سے محرومی کے المیے کو ان اشعار میں سمیٹ دیا ہے:

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

یہ شعر فقط شکوہ نہیں، بلکہ پوری قوم کے لیے فکری بیداری کا پیغام ہے۔ اس میں اس ذہنیت پر تنقید کی گئی ہے جو اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے بجائے دوسروں کی اندھی تقلید کو اپنا شعار بنا لیتی ہے۔

یہاں ایک بنیادی فرق سمجھنا ضروری ہے: ہر نئی چیز کو صرف نیا ہونے کی وجہ سے قبول کرنا دانش مندی نہیں، اور ہر پرانی چیز کو صرف قدیم ہونے کی وجہ سے رد کر دینا بھی عقل مندی نہیں۔ حقیقی بصیرت یہ ہے کہ حق و باطل، مفید و مضر اور اصول و مصلحت کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت پیدا کی جائے۔

جو قوم اپنے اسلاف کے علمی و اخلاقی ورثے سے وابستہ رہتے ہوئے نئے سوالات کے جواب تلاش کرتی ہے، وہ اپنی روایت کو زندہ رکھتی ہے۔ اس کے برعکس جو قوم صرف ماضی کی عظمت کے قصے دہراتی ہے، مگر حال کے تقاضوں اور مستقبل کی تیاری سے غافل رہتی ہے، اس کا تاریخی فخر رفتہ رفتہ عملی قوت سے محروم ہو جاتا ہے۔

اقبال کا پیغام یہی ہے کہ مسلمان اپنی فکری آزادی، خود اعتمادی اور تخلیقی صلاحیت کو بیدار کرے، زمانے کے حالات کو سمجھے، اپنے اصولوں کی روشنی میں ان کا جائزہ لے اور اپنے عمل سے بہتر دنیا کی تعمیر میں حصہ ڈالے۔

ماضی کا فخر نہیں، مستقبل کی تعمیر

آج امتِ مسلمہ کو سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ احساسِ زوال کو احساسِ ذمہ داری، مایوسی کو امید، انتشار کو تعاون، تقلیدِ محض کو فکری بصیرت اور بے عملی کو مسلسل جدوجہد میں تبدیل کرے۔

ہمیں نہ اپنی کمزوریوں سے آنکھیں چرانا چاہیے اور نہ اپنی صلاحیتوں سے مایوس ہونا چاہیے۔ نہ دوسروں کی ترقی سے مرعوب ہو کر اپنی شناخت کھو دینی چاہیے اور نہ اپنی روایت کے نام پر مفید علم و تجربے سے منہ موڑنا چاہیے۔

اسلام کی سربلندی کا راستہ علم، ایمان، عدل، اخلاق، حکمت، دیانت اور خدمت سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس راستے پر چلنے کے لیے بلند دعووں سے زیادہ مضبوط کردار، معیاری تعلیم، علمی تحقیق، معاشی خود کفالت اور اجتماعی تعاون درکار ہے۔

ہمیں اپنی نئی نسل کو ایسا بنانا ہوگا جو اپنے دین سے محبت کرے، اسلاف کے علمی و اخلاقی ورثے سے واقف ہو، عصرِ حاضر کے مسائل کو سمجھے، جدید علوم سے فائدہ اٹھائے اور انسانیت کے لیے نفع بخش ثابت ہو۔

یاد رکھیے! امتوں کی تقدیر صرف حالات کے ہاتھوں نہیں بنتی؛ ان کی فکری ترجیحات، اجتماعی فیصلے، علمی محنت، اخلاقی رویّے اور مسلسل جدوجہد بھی ان کے مستقبل کی تشکیل کرتے ہیں۔ اگر ہم واقعی اپنے زمانے کی امامت کا خواب دیکھتے ہیں تو ہمیں سب سے پہلے اپنے اندر وہ علمی صلاحیت، اخلاقی قوت، فکری پختگی اور عملی اہلیت پیدا کرنی ہوگی جو قیادت کے لیے ضروری ہے۔ دنیا کی رہنمائی کا حق اسی قوم کو حاصل ہوتا ہے جو اپنے کردار سے رہنمائی کا نمونہ پیش کرے۔

آیئے! ماضی کی عظمت پر محض فخر کرنے کے بجائے حال کی اصلاح اور مستقبل کی تعمیر کا عزم کریں۔ اپنی صفوں میں اتحاد، اداروں میں استحکام، درسگاہوں میں علم، معاملات میں دیانت اور زندگیوں میں اسلام کی حقیقی تعلیمات کو جگہ دیں۔

ہماری اصل ذمہ داری صرف تاریخ کے روشن ابواب میں اپنا نام تلاش کرنا نہیں، بلکہ اپنے علم، کردار، خدمت اور عمل سے ایسا روشن باب رقم کرنا ہے جس سے آنے والی نسلیں بھی رہنمائی حاصل کر سکیں۔

کیونکہ امتِ مسلمہ کا مستقبل فقط ہماری خواہشات سے نہیں، بلکہ ہماری ترجیحات، محنت اور کردار سے وابستہ ہے۔ اب فیصلہ ہمیں کرنا ہے کہ ہم اقبال کے اس شعر کو صرف پڑھ کر داد دیتے رہیں گے یا اس کے پیغام کو اپنی زندگیوں میں اتار کر علم، کردار، خود اعتمادی اور عمل کی نئی تاریخ رقم کرنے کی کوشش بھی کریں گے!

کر سکتے تھے جو اپنے زمانے کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

از: محمد شمیم احمد نوری مصباحی
خادم: دارالعلوم انوارِ مصطفیٰ
سہلاؤشریف، باڑمیر (راجستھان)

مومن جماعت خانہ برہان پور مدھیہ پردیش میں کل ہند اردو رابطہ کمیٹی شاخ برہان پور کی جانب سے ایک آل انڈیا مشاعرہ

نمائندہ: سید ظہیر احمد
فنا، شیموگہ، کرناٹک، انڈیا، نیپال اردو ٹائمز، کھٹمنڈو، نیپال

24/اکتوبر2026ء بروز سنیچر شب 9/بجے مومن جماعت خانہ برہان پور مدھیہ پردیش میں کل ہند اردو رابطہ کمیٹی شاخ برہان پور کی جانب سے ایک آل انڈیا مشاعرہ برہان پور کے مزاحیہ شاعر مرحوم عالم نشتری کی یاد میں منعقد کیا گیا جسکی سرپرستی جناب اصغر بھائی فروٹ والے صاحب نے فرمائی اور صدارت کے فرائض جناب نواب عابد حسین صاحب نے انجام دیے مشاعرہ کا افتتاح جناب اشفاق ٹھیکیدار صاحب نے کیا اور شمع افروزی کی رسم جناب مسعود محمد خان صاحب نے نبھائی۔۔۔ مذکورہ پروگرام میں مندرجہ ذیل حضرات کو انکی علمی، ادبی و سماجی خدمات کے اعتراف میں مختلف اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔۔۔ ،،جناب سید ظہیر احمد فنا صاحب شیموگہ، کرناٹک کو،، مجروح سلطانپوری ایوارڈ،، سے سرفراز کیا گیا تو

جناب ڈاکٹر سلیم احمد قادری کو،، ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام ایوارڈ،، جناب، فہیم ہاشمی صاحب کو ،، مولانا ابوالکلام آزاد ایوارڈ،، جناب اقبال ساحل کو،، فخر ملت ایوارڈ،، اور جناب۔ شائستہ حیدر کو

،،عالم نشتری ایوارڈ،، سے نوازا گیا۔۔ بعد از اعزاز و استقبال محفل مشاعرہ میں جن بیرونی و مقامی شعراء نے اپنے کلام پیش کیے ان میں ظہیر احمد فنا شیموگہ کرناٹک ڈاکٹر شفیق ناظم جلگاؤں، متین انور دھولیہ، شائستہ حیدر، فیض پور، جاوید اشاعتی امراؤتی، واصل گنگوہی، اقبال ساحل امراوتی، ارشاد راہی دریاپور، ادریس نوری گوگاواں، ترلوک ماہر مونڈی اور میزبان شعراء میں ریاست علی ریاست، احد امجد، عابد قزلباش، نعیم تاج، سلیم شہزاد، خلیل افسر اور شکیل اعجاز نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا مشاعرے کی نظامت برہان پور کے خوش فکر و خوش گلو شاعر جناب خلیل اسد نے بحسن و خوبی انجام دی۔۔ مشاعرہ کمیٹی کے ذمے داران میں سید جوزر علی، مسعود ریاض، شعور آشنا، اظہر انصاری، حکمت اللہ انصاری اور انیس پہلوان نے تمام مہمانوں کی گلپوشی کی اور سامعین کا دلی استقبال کیا مشاعرہ کا آغاز۔۔ حافظ۔ عبدالرزاق صاحب نے تلاوت کلام پاک سے فرمایا اور نعت پاک برہان پور کے مشہور و معروف شاعر شعور آشنا اور اعجاز امیدی نے انتہائی خوبصورت انداز میں پیش کر کے اپنے حصے کی سعادت حاصل کی۔۔ مشاعرہ انتہائی کامیابی کے ساتھ رات 3 بجے شکریہ کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔۔۔

Published By: Ulama Foundation Nepal,Bhairahwa, RupandehiLumbini Pradesh Nepal, Reg: 372860
Email:- weeklynepalurdutimes@gmail.com, Web site: www.nepalurdutimes.com, Contact:- +9779701714929, +977 9817619786, +9779821442810